UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224990
UNIVERSAL
LIBRARY

مبادئ

مبادئ علم المغنيسيت

مبادی علم المعیشت

آغا محمد اشرف

مبادیِ علم المعیشت

یعنی

اکنومکس کا ابتدائی کورس

از

آغا محمد اشرف صاحب، بی، اے، دہلوی

بنظرِ ثانی

جناب پروفیسر سید شوکت حسین صاحب زیدی ایم - اے

وائس پرنسپل اینگلو عربک کالج دہلی

حسب فرمائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری درو[illegible]لاہور

قیمت (بارہ آنے) ۱۲ر

تنقیح

اِنتساب

اینگلو عربک کالج دہلی کی چہار سالہ خوشگوار زندگی اور
"یارانِ طریقت" کی یادگار صحبتوں کی پُر لطف یاد میں
میں اپنی اِس ناچیز تصنیف کو اپنے مشفق و محترم اُستاد

سی - آئیر - واکراسکوائر - ایم - اے (آکسن)

پرنسپل عربک کالج دہلی

کے اسمِ گرامی سے معنون کرتا ہوں۔

آزاد منزل - سولن
۱۹ ستمبر ۱۹۳۲ء

عقیدت کیش
اشرف

تقریب

بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن صوبۂ دہلی کے ارباب بست وکشاد شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُن کی کوششوں سے میٹریکولیشن کے نصاب میں علم المعیشت سا کارآمد اور مفید مضمون شامل ہو گیا ہے۔ لیکن ہندوستانی طلباء کو اس مضمون کے پڑھنے اور سمجھنے میں ایک بہت بڑی دقّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس مضمون پر ہماری مُلکی زبانوں میں کتابوں کا فقدان ان کا حوصلہ پست کر دیتا ہے۔ اور غیر زبان میں یہ نیا مضمون سمجھ میں نہیں آتا۔

مجھے اس امر پر بجا طور پر ناز ہے کہ میرے قابلِ فخر شاگرد آغا محمد اشرف صاحب بی۔ اے دہلوی نے علم المعیشت کے طلباء کی سہولت کا خیال رکھتے ہوئے نہایت سادہ آسان اور سلیس زبان میں زیرِ نظر رسالہ لکھا ہے اور اپنی اس کوشش میں قابلِ رشک کامیابی حاصل کی ہے۔ اشرف صاحب کو اپنے قابلِ فخر جدِ امجد شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی سے اُردو زبان ورثہ میں ملی ہے۔ اس لئے اس زبان کی جس قدر بھی خدمت کریں کم ہے۔

میں اس کتاب کا تمام و کمال مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اشرف صاحب نے علم المعیشت کے تمام نظریئے نہایت عمدہ دلچسپ اور شستہ اُردو میں منتقل کئے ہیں اور ہر نظریہ کی ہندوستانی اور خاص طور پر صوبۂ دہلی

کی مثالوں سے تشریح کر دی ہے۔ اس وجہ سے یہ مضمون ایک حد تک آسان اور عام فہم بن گیا ہے۔

مجھے یقین واثق ہے کہ اشرف صاحب کی اس محنت کی داد تمام اُردو دان پبلک بالعموم اور طلبار کا طبقہ بالخصوص دیگا۔ اس کے علاوہ دہلی بورڈ کے صاحبانِ حلّ وعقد اس محنت اور کاوش کو وقعت کی نگاہ دیکھینگے۔ اِس وقت ضرورت ہے کہ مُلک کا علمی طبقہ اردو زبان میں ایسی تصانیف کی سرپرستی کرے تاکہ اور لوگوں کو بھی اِس میدان میں نبرد آزما ہونے کی جرأت ہو سکے۔

آخر میں میری دلی تمنّا ہے کہ اشرف صاحب کی یہ پہلی مگر کامیاب کوشش مُلک میں مقبول ہو اور پبلک کی قدر افزائی اُنہیں اپنی قلمی اور دماغی قوتوں سے آیندہ اور کام لینے پر آمادہ کر سکے۔

مجھے اُمید ہے کہ اشرف صاحب کی موجودہ تصنیف اور تصانیف کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

سیّد شوکت حسین زیدی
ایم۔اے (علیگ، آگرہ دہلی)
پروفیسر علم المعیشت
وائس پرنسپل اینگلو عربک کالج دہلی۔

خان ولا۔ سولن (کوہستان شملہ)
۱۶ر ستمبر ۱۹۳۲ء

*

تمہید

ہر ایک انسان فطرتاً دوسری غیر زبانوں کی نسبت اپنی مادری زبان میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ اور اس زبان میں جن علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرتا ہے اُنہیں نسبتاً آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور بغیر کسی خاص کوشش یا جدّوجہد کے ایک عرصہ تک اپنے ذہن میں محفوظ رکھتا ہے۔ تمام دُنیا کے ماہرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ ہر ملک میں ذریعہ تعلیم اسی ملک کی زبان ہونی چاہیئے۔ لیکن بد قسمتی سے ہندوستان میں جہاں ہماری ہر بات غیر کے ہاتھوں میں ہے ہمارا طریقۂ تعلیم بھی غیر زبان کا محتاج اور دست نگر ہے۔ ہمارے ابتدائی مدارس کے علاوہ ثانوی مدارس اور اعلیٰ جماعتوں میں ذریعہ تعلیم انگریزی زبان قرار دی گئی ہے۔ گویا ہر مضمون سمجھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے پہلے انگریزی زبان پر مہارت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر انگریزی زبان کی آنکھوں سے اس مضمون کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ تعلیم کے خلاف مدّت سے ملک میں بے چینی پھیل رہی ہے۔ اور ہر نقطۂ نظر کے افراد نے اس کی مذمّت کی ہے۔ لیکن اب تک یہ تمام صدائیں صدا بصحرا ثابت ہوئی ہیں۔ اور موجودہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوندانِ محکمۂ تعلیم

اِن عرضداشتوں پر غور نا۔ کرنیکے لئے تیار نہیں ہیں۔

اُردو زبان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس میں دوسرے علوم کو جذب کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔ اس بے بنیاد الزام کا جواب دارالترجمہ حیدرآباد دکن۔ انجمن ترقیٔ اُردو اورنگ آباد اور جامعہ ملّیہ دہلی نے علوم جدیدہ پر متعدد کتابیں شائع کرکے دیا ہے۔ اس کے علاوہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد۔ دکن اور جامعہ ملّیہ دہلی نے ذریعہ تعلیم بھی اُردو کو قرار دیا ہے۔ جس کے نتائج نہایت اُمید افزا نکل رہے ہیں۔ جن حضرات کو اِن تعلیمی اداروں کے طریق کار دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس امر کی بخوبی شہادت دے سکتے ہیں کہ غیر زبان کی نسبت طلبا اپنی مادری زبان میں زیادہ شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور اس طرح حاصل کئے ہوئے علوم صرف امتحانات کی غرض سے نہیں پڑھے جاتے بلکہ اپنی مادری زبان کے ذریعہ اِن مضامین کے پڑھنے سے طلبا کے دل میں اِن مضامین کی اہمیت کا صحیح احساس اور شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

علم المعیشت پر زیرِ نظر رسالہ لکھتے وقت میرا سب سے بڑا مقصد اُردو علم و ادب میں علم المعیشت پر ایک نئی کتاب کا اضافہ کرنا تھا۔ اگرچہ اس فن علم المعیشت کے متعلق متعدد سیر حاصل اور جامع کتابیں موجود ہیں۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے ابتک اس علم کے ابتدائی اصولوں کو نہایت سادہ عبارت میں کسی مصنّف نے مبتدیوں کے سامنے پیش نہیں کیا۔ "مبادیٔ علم المعیشت" میں کوشش کی گئی ہے کہ علم المعیشت کے ابتدائی اصولوں کو نہایت آسان

اور سادہ زبان میں مبتدیوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس مضمون کو عام فہم اور دلچسپ بنانے کے لئے بار بار ہندوستانی زندگی کی تمثیلوں سے کام لیا گیا ہے۔ تاکہ مبتدی خشک اصولوں کو پڑھنے کے علاوہ اپنے ذاتی تجربہ سے انہیں عملی طور پر بھی سمجھ سکیں۔

اس رسالہ لکھنے کی دوسری وجہ صوبہ دہلی کے طلباء کی ضرورت کا احساس ہے۔ چند سال سے صوبہ دہلی کے میٹرکولیشن کے نصاب میں اکنومکس ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے شامل ہے۔ اور طلباء کو خوش قسمتی سے اس کے جوابات اردو میں لکھنے کا اختیار حاصل ہے۔ دہلی کے طلباء کو ایک عرصے سے اکنومکس کے ابتدائی اصولوں پر اردو میں ایک کتاب کی ضرورت تھی۔ اگر موجودہ کتاب سے ان کی یہ ضرورت پوری ہو گئی تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

اگرچہ یہ کتاب بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن صوبہ دہلی کے نصاب کے مطابق لکھی گئی ہے۔ لیکن اس میں علم المعیشت کے تمام ابتدائی اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اب یہ کتاب انٹرمیڈیٹ اور دوسرے مبتدیوں کے کام بھی آسکتی ہے۔ اس رسالہ سے ایسے مبتدیوں کے ذہن میں علم المعیشت کا ایک خاکہ سا کھنچ جائیگا جسے دوسری کتابیں پڑھ کر زیادہ روشن کیا جا سکتا ہے۔ گویا علم المعیشت کے مبتدیوں کے لئے یہ رسالہ پہلی سیڑھی کا کام دیگا۔

علم المعیشت کو اُردو زبان میں منتقل ہوئے ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں۔ اِس لئے مُبتدیوں کے کانوں کو علم المعیشت کی اُردو اصطلاحات ذرا غیر مانوس سی معلوم دیتی ہیں۔ اس رسالہ میں اُردو اصطلاحات کے ساتھ ساتھ اِن کا انگریزی ترجمہ بھی لکھدیا ہے۔ قارئین کو دونوں زبانوں کی اصطلاحیں یاد رکھنی چاہئیں۔ تاکہ اس علم پر اور کتابیں آسانی سے سمجھ سکیں۔ اِس رسالہ کی زیادہ تر اصطلاحات "فرہنگ وضع اصطلاحات" سے اخذ کی گئی ہیں۔ لیکن بعض مشکل اصطلاحات کی جگہ خود ساختہ اصطلاحات کا استعمال بھی کر دیا ہے۔ تاکہ طلبا کو اِن کے سمجھنے میں دقّت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اِس کتاب کی اشاعت اور تصنیف میں متعدد حضرات کی امداد میرے شاملِ حال رہی ہے۔ اِس لئے میرا اوّلین فرض اِن کرمفرما حضرات کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرنا ہے۔

میرے مکرم و معظم اُستاد جناب پروفیسر سیّد شوکت حسین صاحب زیدی (ٹریبل) ایم۔ اے۔ ماہر اقتصادیات۔ وائس پرنسپل اینگلو عربک کالج دھلی نے اپنے دیرینہ خلوص کی وجہ سے اس کتاب کی نظر ثانی کا اہم کام اپنے ذمہ لیا تھا۔

پروفیسر صاحب موصوف نے نہایت محنت اور عرقریزی سے اس کا مطالعہ کیا اور جا بجا اپنے مشوروں سے میری لغزشوں اور کوتاہیوں

کی عیب پوشی کی۔ اِس قدر عرض کرنا حقیقت ہے کہ اگر آپ کی رہبری میرے لئے دلیلِ راہ نہ ہوتی تو میں ایسی پُرخار وادیوں میں بھٹکتا ہی پھرتا۔

اِس کے علاوہ جناب پنڈت مہاراج ناتھ صاحب زُتشی ایم۔اے پروفیسر ڈی۔اے۔وی کالج لاہور۔اور برادر مکرم جناب آغا محمد باقر صاحب ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل۔بی ٹی نے بھی متعدد مرتبہ دورانِ تصنیف میں اپنے دیرینہ تجربوں سے مستفید فرمایا ہے۔میں اِن دو نو حضرات کا بھی شکر گذار ہوں کہ اِن کا قیمتی وقت ہر وقت میرے لئے وقف تھا۔جس سے میں اکثر متمتع ہوتا رہا۔

نیز جناب شاہد احمد صاحب بی۔اے(آنرز) مُدیرِ رسالہ "ساقی" دہلی کا شکریہ بھی میں نہیں بھول سکتا جنہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں دلچسپی لیکر کافی مدد دی۔

آزاد منزل سولن
۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

افسر

فہرست مطالب

نمبر شمار	تفصیل ابواب	صفحہ
۱	پہلا باب۔ علم المعیشت اور اسکی تعریف	۳
	پہلا حصہ۔ صرفِ دولت۔	
۲	دوسرا باب۔ صرفِ دولت	۱۵
	صرف دولت کی تعریف۔ صرف دولت اور بچت کا تعلق۔ بچت کے فائدے۔ چیزوں کا اِفادہ۔ قانونِ تقلیلِ افادہ۔ اِفادۂ کل اور افادۂ مختتم۔	
۳	تیسرا باب۔ ضروریاتِ زندگی	۲۶
	ضروریات کی تقسیم۔ اشد ضروریات۔ آسائشیں۔ نعمتیں۔ آمدنی اور اخراجات کا تناسب۔ ضروریات کی خصوصیات۔ ضروریات اور ایجادات۔	
	دوسرا حصہ۔ پیداوارِ دولت۔	
۴	چوتھا باب۔ پیداوارِ دولت	۴۳
	پیداوارِ دولت کی تعریف۔ پیداوارِ دولت کی قسمیں۔ عاملینِ پیدائش۔ زمین۔ محنت۔ سرمایہ۔ تنظیم۔ انسانی تمدّن کی ترقی کی منزلیں۔	

صفحہ	تفصیل ابواب	نمبر شمار
۵۰	پانچواں باب۔ عاملینِ پیدائش۔ (زمین)	۵
	زمین کی تعریف۔ قانون تکثیرِ حاصل۔ قانون تقلیلِ حاصل۔ ہندوستان کے اقتصادی حالات۔	
۶۴	چھٹا باب۔ عاملینِ پیدائش (محنت)	۶
	محنت کی تعریف۔ آبادی اور محنت کا تعلق۔ حسنِ کارکردگی کے لئے ضروری شرطیں۔ ہندوستانی محنت۔ مشینوں کا استعمال۔ مشین کا اثر مزدوروں پر۔ مشین کے فائدے اور نقصانات۔ ہندوستان میں مشینوں کا استعمال۔ تقسیم عمل اور مشین کا استعمال۔ تقسیم عمل کے فائدے۔ تقسیم عمل کے نقصانات۔ مقامی صنعتیں۔	
۸۶	ساتواں باب۔ عاملینِ پیدائش۔ (سرمایہ اور تنظیم)	۷
	(ا) سرمایہ کی تعریف۔ دولت کی تعریف۔ سرمایہ کی قسمیں۔ سرمایہ پیدا ہونے کی شرطیں۔ ہندوستانی سرمایہ۔ (ب) تنظیم کی تعریف۔ منتظم کے فرائض۔ پیداوار بر پیمانہ کبیر کے فائدے اور نقصانات۔	
	تیسرا حصہ۔ تبادلہ	
۱۰۱	آٹھواں باب۔ منڈی	۸
	اقتصادی منڈی کی تعریف۔ منڈی کی قسمیں۔ بین الاقوامی	

نمبر	تفصیل ابواب	صفحہ
	منڈی۔ قومی منڈی۔ مقامی منڈی۔ منڈی وسیع ہونے کے لئے ضروری شرطیں۔ رسد اور مانگ کا اثر منڈی کی وسعت پر۔ منڈیوں میں دلالوں کی اہمیت۔	
۹	نواں باب۔ دولت اور قدر و قیمت	۱۱۰
	دولت کی قسمیں۔ ذاتی دولت۔ قومی دولت۔ قدر قیمت۔ قیمت بلحاظ بدل۔ قیمت بلحاظ افادہ۔ قیمت بوجہ قلت قیمتیں کس طرح مقرر کی جاتی ہیں۔ مانگ اور رسد کا اثر قیمتوں پر۔ منڈی کا نرخ۔ مانگ اور رسد کا توازن لاگت۔	
۱۰	دسواں باب۔ زر اور اُسکی قسمیں	۱۲۴
	مُبادلہ۔ مُبادلہ کی مشکلات۔ ذریعہ تبادلہ۔ زر۔ عمدہ زر کی خصوصیات۔ زر کے کام۔ زر کے استعمال میں عادت کا دخل۔ زر کی قسمیں۔ سکّہ۔ زر کاغذی۔ سکّہ کی قسمیں۔ زر مستند۔ زر وضعی۔ زر قانونی۔ زر کاغذی کے فائدے اور نقصانات۔ گرشیم کا قانون۔ ہندوستانی روپیہ۔	
۱۱	گیارھواں باب۔ بنک اور روپیہ کا لین دین	۱۴۱
	مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں۔ بنک کی تعریف اور اُسکے کام	

صفحہ	تفصیل ابواب	نمبر شمار
	ہُنڈی اور چیک - بنک کے فوائد - ہندوستانی مہاجن اور ساہوکار - انجمن ہائے اِمداد باہمی کی تحریک۔	
	چوتھا حصّہ - تقسیمِ دولت -	
۱۵۳	**بارھواں باب - تقسیمِ دولت**	۱۲
	تقسیمِ دولت کی تعریف - قومی آمدنی اور تقسیمِ دولت -	
	(ا) کرایہ کی تعریف - زمین کا کرایہ - مکانوں کا کرایہ - محل وقوع کا کرایہ - ماحصلِ غیر مکتسب کرایہ اور قانونِ تقلیلِ حاصل	
	(ب) اُجرت کی تعریف - نقد اُجرت - اصلی اُجرت - اُجرت میں فرق کی وجہ - ٹریڈ یونین یا مزدور سبھا -	
	(ج) سود کی تعریف - شرحِ سود کا فیصلہ - ہندوستان میں شرحِ سود کی زیادتی کی وجہ -	
	(د) منافع کی تعریف - منافع میں دوسری کیا کیا چیزیں شامل ہوتی ہیں -	
۱۷۲	**صوبہ دھلی کے اقتصادی حالات**	۱۳
۱۷۷	ضمیمہ - انگریزی اصطلاحات اور اُن کا اُردو ترجمہ -	۱۴

مبادی علم المعیشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب
علم المعیشت کی تعریف

دہلی میں سب سے بڑا بازار چاندنی چوک ہے۔ تم کسی وقت اُس کی سیر کو جاؤ تو سینکڑوں آدمیوں کو چلتے پھرتے دیکھوگے۔ ان میں سے کچھ تو صرف تفریحاً ٹہلتے ہوئے ملیں گے۔ لیکن اکثر لوگ اپنے کام کاج کی غرض سے جلد جلد قدم اُٹھاتے ہوئے جائیں گے۔ اِس بازار میں بساطی عام اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ دوائی فروش دوائیاں بیچتے ہیں۔ کپڑے والے کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ غرض چاندنی چوک میں مختلف دوکاندار مختلف چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ اور اِس بازار کے آنے جانیوالے اِنہی دوکانوں سے چیزیں خریدتے ہیں۔ اگر ان لوگوں سے سوال کیا جائے کہ چاندنی چوک کیوں آئے تھے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ کچھ چیزوں کی "ضرورت" تھی۔ اُنہیں خریدنے آیا تھا۔ چنانچہ اِس بازار میں بہت سے لوگ اپنی "ضروریات" پورا کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔

"ضروریات" کا پورا کرنا صرف چاندنی چوک والوں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ دُنیا میں ہر شخص اپنے ساتھ کچھ ضرورتیں لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر وقت اُنہیں پورا کرنے کی دُھن میں لگا رہتا ہے۔ اور اس غرض کیلئے مختلف اسباب اور ذریعوں کی تلاش میں رہتاہے۔ مثلاً بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ مانگتا ہے، بڑے بچے اور کھانے پینے کی چیزیں مانگتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھو تو جوان کھانے پینے کے علاوہ کپڑوں اور دوسری چیزوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ گویا دُنیا کا ہر فردِ بشر خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان۔ رئیس ہو یا غریب "ضرورت" ضرور محسوس کرتا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ بعض ضروریات تو فراہم ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کی دل میں حسرت ہی رہتی ہے۔ لیکن ضرورت محسوس کرنے کے بعد ہر شخص اسے پورا کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ مثلاً بچے کو جب بھوک لگتی ہے تو چلاتا ہے ماں فوراً سمجھ جاتی ہے کہ بچہ بھوکا ہے اور اُسے دودھ پلا دیتی ہے۔ کسی شخص کو اگر ٹوپی کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ ٹوپی خریدنے کی کوشش کرتا ہے۔ ٹوپی کے لئے روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے پہلے یہ روپیہ حاصل کرتا ہے۔ پھر ٹوپی خریدتا ہے۔ گویا ہر انسان اپنی زندگی بھر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی تگ ودو میں مصروف رہتا ہے۔ اگر آج اسے ٹوپی کی ضرورت ہے تو کل کپڑے درکار ہیں اور پرسوں جوتا نیا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں انسانی زندگی کا خلاصہ صرف "ضروریات اور اُن کو

پورا کرنے کی جدّ و جہد میں ادا ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہر ایک انسان کی زندگی میں ضروریات کا درجہ کس قدر بلند اور اہم ہے۔ کوئی شخص ضروریات کی قید سے آزاد نہیں ہے۔ خواہ کوئی انسان علائق دنیوی سے کتنا ہی آزاد ہونا چاہے۔ اور اپنی زندگی کو جس قدر چاہے سادہ بنائے لیکن پھر بھی جب تک اس کے دم میں دم ہے یہ ضروریات کے پھندوں سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا۔

جس طرح روزانہ بیوپار۔ اور ضروری کام کاج میں چیزوں اور روپوں کی مقدار معلوم کرنے اور انہیں شمار کرنے کے لئے حساب یا ریاضی کی ضرورت ہر شخص محسوس کرتا ہے یا مناظرِ قدرت کو سمجھنے کے لئے سائنس اور دوسرے علوم طبعی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح انسانی ضروریات کی اہمیت اور ماہیت دریافت کرنے کے لئے ایک علم موجود ہے۔ جسے انگریزی میں اکنومکس (Economics) اور اردو میں علم المعیشت کہتے ہیں۔ ہم آئندہ بیان میں اس علم کو علم المعیشت یا اکنومکس کہیں گے۔ کیونکہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

علم المعیشت یا اکنومکس ایک نہایت دلچسپ اور وسیع مضمون ہے کیونکہ اس علم میں انسان کی زندگی کے اس حصہ یا رُخ سے بحث کی جاتی ہے جو سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ اگر آج ہماری ضروریات فراہم نہ ہوں تو یہ زندگی وبالِ جان ہو جائے۔ اگر کھانے کو

خوراک اور پہننے کو کپڑے نہ ملیں تو یہ دُنیا دوزخ کا نمونہ بن جائے۔
اکنومکس میں چونکہ ہماری ضروریات سے بحث کی جاتی ہے اِسلئے
اس علم کی اہمیت کا اندازہ نہایت آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

اکنومکس ہمیں ہماری ضروریات پورا کرنے کی ترکیبیں بتاتی ہے۔
یعنی ہم اسی علم کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں کہ ہماری ضروریات کس طرح
پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہم اُنہیں کس طرح پورا کرنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ یہ علم ہماری زندگی کا نہایت غور سے مطالعہ کرتا ہے اور ہمارے
کاروبار اور روپیہ پیسہ پیدا کرنے کیلئے قانون بناتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اکنومکس کا علم صرف دولت پیدا
کرنے کے طریقے بتاتا ہے۔ یا دولت پیدا کرنے کا دوسرا نام اکنومکس
ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اکنومکس کو غلط معنوں میں استعمال کرتے
ہیں۔ اور اِسے "کنجوسوں۔ بنیوں۔ اور مہاجنوں" کا علم کہتے ہیں۔ لیکن
یہ لوگ سخت غلطی پر ہیں۔ اکنومکس کے سب سے بڑے ماہر اور اُستاد
پروفیسر مارشل (Marshall.) نے اس علم کی تعریف مندرجہ ذیل
الفاظ میں کی ہے:۔

"اکنومکس یا علم المعیشت انسان کی روزمرہ زندگی کے مطالعہ کا نام ہے
یہ علم انسان کی آمدنی کے وسائل اور اخراجات کے متعلق چھان بین
کرتا ہے...... گویا ایک طرح سے تو یہ علم دولت کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور دوسری
طرح یہ انسان کی زندگی کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنا ہی جو اس مضمون کا ایک ضروری جزو ہے۔"

پروفیسر مارشل کی مندرجہ بالا تعریف سے یہ امر بخوبی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اکنومکس کے علم کا تعلق دولت پیدا کرنے کی نسبت انسان کی زندگی سے زیادہ ہے۔ کیونکہ کوئی دولت۔ روپیہ پیسہ یا جائداد وغیرہ بغیر انسان کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے اکنومکس کے علم میں انسان ایک ایسا ضروری جُزہے کہ جسے کسی حالت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل مناسب اور درست ہے کہ اکنومکس اور انسان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انسانی زندگی کا مطالعہ کئے بغیر کوئی شخص اکنومکس کا مطالعہ نہیں کر سکتا اور ہر شخص کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے اکنومکس کا مطالعہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اکنومکس میں انسان کی اُن ضروریات کے متعلق بحث کی جاتی ہے جو روپیہ پیسہ خرچ کرنے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ لیکن بعض ضروریات ایسی بھی ہیں کہ جو دُنیا میں روپیہ یا دولت سے مہیّا نہیں ہو تیں۔ مثلاً ماں کی مامتا۔ باپ کی محبّت۔ دوستوں کا پیار۔ کبھی خریدے نہیں جاتے۔ بلکہ یہ چیزیں قدرتی طور پر انسان کی زندگی کو دلچسپ بنانے کے لئے خداوندتعالےٰ عطا کرتا ہے اور انہیں بھی ہر انسان اپنی زندگی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر اس کی زندگی تلخ اور ناخوشگوار ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک انگریز مُصنّف نے کہا ہے۔ کہ "انسان صرف روٹی پر ہی زندہ نہیں رہتا"۔ اس کی زندگی کے لئے دوسری چیزیں بھی ضروری ہیں۔ جو روپیہ یا دولت سے حاصل نہیں

ہو سکتیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

جو چیزیں روپیہ یا دولت سے حاصل نہیں ہو سکتیں اُن کا تعلق اکنومکس کے علم سے نہیں ہے۔ اکنومکس میں صرف اُنہی ضروریات سے بحث کی جاتی ہے جو ہم خرید سکتے ہیں۔

اکنومکس کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ اس مضمون کے پڑھنے سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔ اس کا جواب نہایت آسان اور سادہ ہے:۔

یہ تو شروع میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اکنومکس کا تعلق انسان اور اُس کی ضروریاتِ زندگی سے ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے سب سے زیادہ اہم اور ضروری حصّے کے متعلق اِس علم میں بحث کی جاتی ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ اکنومکس کس قدر ضروری اور اہم علم ہے۔ اس علم کے پڑھنے کے بعد طالب علم کو اپنی زندگی پر زیادہ سوچ بچار کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہماری ضروریات کیونکر پیدا ہوتی ہیں اور ہم اُنہیں کس طرح پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلئے اکنومکس فی زمانہ بہت دلچسپ اور ہر دلعزیز مضمون سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ عملی طور پر بھی اکنومکس بہت کافی مدد دیتی ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد دولت پیدا کرنے کے قوانین سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور ہم اپنے ملک کی غربت اور افلاس کا صحیح صحیح علاج سوچ

سکتے ہیں۔ اپنے روزانہ کاروبار اور تجارت میں اِن اصولوں اور قوانین کو استعمال کر کے اُسے ترقی دے سکتے ہیں۔

آج کل سیاست دانوں کو اکنومکس کے مطالعہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں سوراج حاصل کرنے سے پہلے اِس کی غربت اور تنگدستی کا علاج نہایت ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں کھدر۔ اور دوسری سودیشی چیزوں کے استعمال کا سبق اسی مضمون کو پڑھنے کے بعد دیا گیا ہے۔ مہاتما گاندھی بھی اس علم کے ماہر اور اُستاد ہیں۔ اُنہوں نے ہندوستان کی آزادی کا راز سودیشی میں صرف اکنومکس کے مطالعہ کے بعد پایا ہے۔

دُنیا کی ہر متمدن قوم اپنی اقتصادی حالت Economic Condition کا مطالعہ کرنے کے بعد اُس کی ترقی میں کوشاں نظر آتی ہے۔ انگلستان اس وقت تمام دُنیا کے دوسرے ممالک سے تجارت اور کاروبار میں صرف اسی وجہ سے آگے ہے کہ اس ملک میں اکنومکس کا مطالعہ اور اُس کے متعلق چھان بین دوسرے ملکوں سے کہیں پہلے شروع ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جرمنی۔ امریکہ اور جاپان نے تجارت میں ترقی کی ہے۔ اُس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ لوگ اپنے مُلک کی اقتصادی حالت کو سمجھنے کے بعد اس کا صحیح علاج دریافت کر چکے ہیں۔

ہندوستان کی غربت اور افلاس کی یہی وجہ ہے کہ اس مُلک میں ابھی یہ مضمون نسبتاً نیا ہے۔ اس کے باشندے اس علم کے فائدوں سے

ناواقف ہیں اس لئے اِس کا مطالعہ نہیں کرتے اور اس سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

ہر ہندوستانی نوجوان کا فرض ہے کہ زندگی کی کشاکش میں داخل ہونے سے پہلے اکنومکس کو خوب سوچ سمجھکر پڑھے اور پھر اپنے ملک کی ترقی کے لئے اس کے اصولوں پر کاربند رہے۔

اِسی علم کے مطالعہ سے غریبوں کا افلاس دور ہو سکتا ہے۔ کاشتکاروں کی پیداوار میں ترقی ہو سکتی ہے۔ بے روزگاروں کو روزی مِل سکتی ہے۔ تاجروں کی تجارت میں ترقی ہو سکتی ہے۔ اور مزدوروں کی اُجرت بڑھ سکتی ہے۔ گویا ملک کی ثروت اور خوش حالی کی کُنجی اسی مضمون میں پوشیدہ ہے۔ اس لئے اِس کا مطالعہ اور اُسپر عمل نہایت ضروری ہے۔

دولت کی تعریف:- چونکہ اکنومکس کی بحث میں دولت کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ اِسی لئے شروع ہی میں دولت کی تعریف کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

دولت یا (WEALTH) اکنومکس کی اصطلاح میں ہر اُس چیز کو کہہ سکتے ہیں کہ جس سے ہمیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ مثلاً۔ قلم۔ دوات۔ روٹی۔ پانی۔ کپڑے۔ مکان۔ گھڑی۔ ٹوپی وغیرہ سے انسان فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اِس لئے یہ سب چیزیں اس کی دولت یا

(Wealth) کہلاتی ہیں۔

اکنومکس کے ماہروں اور اُستادوں نے اِس علم کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے :-

(۱) صَرفِ دولت یا (Consumption) یعنی انسانی ضروریات کس طرح پوری ہوتی ہیں۔ اور ان کے پورا ہونے میں دولت کس طرح صَرف ہوتی ہے۔ اور دولت صَرف ہونے سے اس کی پیداوار پر کیا اثر پڑتا ہے۔

(۲) پیدائشِ دولت یا (Production) یعنی دولت کس طرح پیدا کی جاتی ہے۔ اور اُس کے پیدا کرنے میں کیا ذریعے استعمال کئے جاتے ہیں۔

(۳) تبادلۂ دولت یا (Exchange) یعنی ضروریات پورا کرنے کے لئے ہم دولت کا دوسری چیزوں سے کِن قوانین اور اصولوں کے ماتحت تبادلہ کرتے ہیں۔

(۴) تقسیمِ دولت یا (Distribution) یعنی دولت پیدا ہونے کے بعد کِن اصولوں کے ماتحت پیدا کرنے والوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔

اِن چاروں حصوں کے متعلق تفصیل سے بیان علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا۔ یہاں صرف ان کے نام اور ان کی تعریف یاد رکھنی کافی ہے۔

سوالات

۱۔ اکنومکس کی تعریف بیان کرو۔ یہ علم کس چیز کے متعلق بحث کرتا ہے۔ اسکے مطالعے سے کیا فائدہ ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں اسکی کیا اہمیت ہے۔

۲۔ اکنومکس کو کن چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اِن چاروں حصوں کے نام بتاؤ اور اِن کی تعریف کرو۔

۳۔ دولت کسے کہتے ہیں۔ مثالوں سے واضح کرو۔

پہلا حصّہ

صرفِ دولت

یعنی

CONSUMPTION

دوسرا باب

صَرفِ دولت

پہلے باب میں اکنومکس کو چار بڑے حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اُس تقسیم کے مطابق اکنومکس کے پہلے حصّہ میں صَرفِ دولت یا (Consumption) سے بحث کی جاتی ہے۔ اِس لئے اِس حصّہ میں ہم صَرفِ دولت یا (Consumption) کے متعلق تفصیل سے بیان کریں گے۔

انسان کی زندگی کا مقصد اپنی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ اگر آج اسے جوتی کی ضرورت ہوتی ہے تو فوراً اُس فکر میں لگ جاتا ہے کہ کسی طرح روپیہ پیدا کرکے اس ضرورت کو پورا کرے۔ اگر انسان کی تمام زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر وقت یہ اپنی لاتعداد خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اور جب کبھی اُس کے ہاتھ میں دولت یا روپیہ پیسہ آتا ہے تو سب سے پہلے اُنہی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِنسان کی زندگی کے

اس فعل کو صرف دولت یا (Consumption) کہتے ہیں۔ اس لئے اکنومکس کا یہ حصّہ کہ جس میں صرفِ دولت یا (Consumption) کے مضمون سے بحث کی جاتی ہے بہت اہم اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ہماری ضروریات کے پورا ہونیکا نام صرفِ دولت یا (Consumption) ہے۔ مثلاً ہمیں ایک ٹوپی کی ضرورت ہے۔ ہم نے بازار سے ٹوپی خرید کر استعمال کی اور اس طرح اپنی ضرورت پوری کرلی۔ یہ فعل اکنومکس میں صرفِ دولت یا (Consumption) کہلاتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت کھانے کا استعمال۔ کپڑے کا استعمال۔ اور دوسری چیزوں کا استعمال صرفِ دولت کہلاتا ہے۔

لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ انسان کسی حالت میں بھی مادّہ یا (Matter) فنا نہیں کرسکتا۔ ٹوپی کے استعمال یا صرفِ دولت سے اگرچہ ٹوپی کی ظاہراً شکل وصورت بگڑ جاتی ہے۔ لیکن وہ مادّہ کہ جس سے اُس کی تعمیر ہوتی ہے ہرگز فنا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کپڑے کا استعمال اُس کی ظاہراً شکل وصورت اور ہیئت کو بدل دیتا ہے لیکن اس کا مادّہ اسی طرح قائم رہتا ہے۔ کیونکہ سائنس دانوں نے اپنی تحقیقات اور تجربوں سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ مادّہ کا ضائع یا برباد کرنا انسان کی دسترس اور طاقت سے باہر ہے۔ اِس لئے صرفِ دولت سے مراد چیزوں کی فائدہ پہنچانے کی قوت کا استعمال ہے۔ اِس کا مطلب مادّہ کا ضائع کرنا نہیں ہے۔ ہم مختلف چیزونکو استعمال

کرکے ان کی ظاہراً شکل وصورت تبدیل کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کا مادہ اسی طرح قائم رہتا ہے۔ صرف ان کی شکل بدل جاتی ہے۔ مثلاً لکڑیاں جلنے کے بعد راکھ ہو جاتی ہیں۔ اور ان سے گیس خارج ہوکر ہوا میں مل جاتی ہے۔ یا خوراک کھانے سے ظاہراً طور پر ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اُسے ختم کر دیا۔ لیکن اس کا مادہ ہمارے خون کی صورت میں تبدیل ہوکر ہمارے جسم میں موجود رہتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے صرف اس قدر مراد ہے کہ انسان "صرفِ دولت" یا Consumption سے چیزوں کا مادہ یا Matter برباد نہیں کرتا بلکہ ان کے فائدے پہنچانے کی قوت کو استعمال کرتا ہے اور اس استعمال سے بعض اوقات ان کی ظاہراً شکل و صورت بدل جاتی ہے۔

بعض چیزیں تو صرف ایک مرتبہ کے استعمال سے اپنی شکل و صورت بدل دیتی ہیں اور دوسروں کے کام نہیں آسکتیں۔ مثلاً لکڑیاں ایک دفعہ جلنے کے بعد لکڑیوں کی صورت میں جلائی نہیں جاسکتیں۔ لیکن بعض چیزیں ایک مدت تک متواتر استعمال ہونے کے باوجود دوبارہ استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اور ان سے پہلے جیسا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً سونے اور چاندی کے زیورات متواتر استعمال کے باوجود پھر استعمال ہوسکتے ہیں۔ اور کسی نئی شکل میں بدل کر

تک کام آتے ہیں۔ فنِ مصوّری کے نمونے اور ہیرے جواہرات بھی اِسی قسم میں شامل ہیں۔

اگر کسی چیز کو اِس طریق سے استعمال کیا جائے کہ صَرفِ دولت کا یہ فعل دوسری چیزوں کی پیداوار میں مدد دے تو اِس قسم کے صَرفِ دولت کو Productive Consumption کہتے ہیں۔ مثلاً لکڑی کو جلا کر اگر اس سے کوئی کھانا یا مٹھائی تیار کی جائے تو لکڑی کا یہ استعمال Productive - Consumption کہلائے گا۔ اسی طرح لوہے کو پگھلا کر انجن کی صورت میں ڈھالنا یا کپڑے کے تھان سے کوٹ۔ پتلون وغیرہ بنانا اِسی قسم کے صَرفِ دولت میں شامل ہیں۔ لیکن بعض اوقات صَرفِ دولت سے کوئی خاص پیداوار نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک لحاظ سے یہ صَرفِ دولت بیکار ہوتا ہے۔ مثلاً کسی جنگل میں آگ لگ جائے تو لکڑیاں بیکار جل جاتی ہیں۔ یا درزی اگر کپڑے کے تھان سے استعمال کے قابل کوٹ وغیرہ تیار نہیں کر سکتا تو یہ صَرفِ دولت بھی بیکار ہوتا ہے۔ اِس صَرفِ دولت کو Unproductive Consumption کہتے ہیں۔

صَرفِ دولت اور بچت کا تعلق:- بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص کی آمدنی تو زیادہ ہے۔ اور اُس کے اخراجات کم ہیں۔ مثلاً ایک شخص دوسو روپیہ ماہوار کماتا ہے۔ لیکن اُس کا خرچ صرف سو روپیہ ماہوار ہے۔ ایسی

حالت میں اُسے ہر مہینے سو روپے کی بچت ہو جائے گی۔ جو رقم آمدنی میں سے کل اخراجات نکالنے کے بعد بچ جاتی ہے اُسے بچت کہتے ہیں جس شخص کی ضروریات کم ہوتی ہیں وہ دولت کم صرف کرتا ہے۔ اور اس طرح اپنی آمدنی کا ایک حصّہ بچا لیتا ہے۔ اسے کفایت شعاری بھی کہتے ہیں۔ جو لوگ عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں ہمیشہ کفایت شعاری کرتے ہیں اور آئندہ بُرے بھلے وقت کے لئے اپنی موجودہ آمدنی میں سے ایک معقول حصّہ بچاتے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ کفایت شعار نہیں ہوتے اُن کے اخراجات اُن کی آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہتے ہیں۔ اور تمام عمر تنگدستی او عُسرت میں گذارتے ہیں۔ اُردو میں ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ جتنی چادر دیکھو اُتنے ہی پاؤں پھیلاؤ۔ اس زرّین اصول پر عمل کرنے سے انسان کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ اس پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی اشد ضروریات کے علاوہ دوسرے غیر ضروری اخراجات پر خوب سوچ سمجھ کر خرچ کرے۔ اور کم سے کم پیسوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔ اگر ان باتوں پر عمل کیا گیا اور صرفِ دولت میں کمی کی گئی تو ہر مہینے بچت کا خانہ بڑھتا جائیگا اور آخر میں انسان کے کام آئیگا۔

بچت سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) کسی خاندان میں اگر کافی روپیہ جوڑ لیا جائے تو یہ دولت اسکے افراد کو فنون لطیفہ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(۲) بچت کے روپیہ سے کاروبار بڑے پیمانے پر چلایا جاسکتا ہے۔ اوزار اور دوسری ضروری چیزوں کی خریداری کے لئے بھی یہی روپیہ کام آسکتا ہے۔

(۳) بعض اوقات تمام خاندان کا گزارہ صرف ایک کمانے والے پر ہوتا ہے۔ اگر یہ بیمار پڑ جائے یا کسی طرح کمانے کے قابل نہ رہے تو تمام خاندان کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے موقعوں کے لئے پچھلا جمع کیا ہوا روپیہ کام آتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اپنی آمدنی میں سے ایک رقم کا آئندہ کاموں کے لئے بچانا نہایت ضروری ہے۔ لیکن بچت اُسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ انسان کے پاس اشد ضروریات رفع کرنے کے بعد بھی کچھ رقم بچ جائے۔ اور اگر اس کی آمدنی صرف اسی قدر ہے کہ مشکل سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے تو ایسی حالت میں بچت کرنا ناممکن ہے۔ بچت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اس قدر کنجوسی پر اُتر آئے کہ اشد ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہ کرے۔ ایسے کنجوس انسان کبھی قدر کی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔

ہندوستان میں لوگ بہت غریب ہیں اور اُن کی آمدنی اس قدر

قلیل ہے کہ اشد ضروریات زندگی تک مشکل سے مہیّا ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں بچت ناممکن ہے۔ اس لئے ہندوستان میں دوسرے ملکوں کی نسبت بچت کم ہوتی ہے۔ اس کا بیان اگلے بابوں میں مفصل آئے گا۔

چیزوں کا افادہ

جب ہمیں سردی لگتی ہے تو گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ کیونکہ گرم کپڑوں میں ہمیں سردی سے بچانے کی قوت اور طاقت موجود ہے۔ ہمیں لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو کاغذ۔ قلم۔ دوات استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ کاغذ۔ قلم۔ دوات میں لکھنے پڑھنے کے لئے استعمال ہونے کی قوّت اور طاقت موجود ہے۔ اکنومکس میں چیزوں کے فائدے پہنچانے کی قوت اور طاقت کو Utility یا افادہ کہتے ہیں۔ لیکن ہر چیز کا افادہ یا Utility ہر شخص کے لئے مختلف ہوتی ہے۔ بعض چیزیں اگر ایک شخص کے لئے افادہ رکھتی ہیں اور دوسرا شخص ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اُس کے لئے یہ چیزیں بیکار ہیں لہذا اُس کے نزدیک ان کا کوئی افادہ نہیں۔ مثلاً موٹر کا افادہ ایک شہری اور تہذیب یافتہ شخص کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ لیکن افریقہ کے جنگلوں کا وحشی اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اس لئے موٹر کا افادہ یا Utility

اُس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ بعض چیزوں کا افادہ صرف موقعہ اور وقت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ مثلاً گرم کپڑوں کا افادہ گرمیوں میں حاصل نہیں ہوتا۔ ہر چیز کے افادہ کا انحصار موقعہ کی مناسبت اور دوسرے لوگوں کی خواہشات اور فائدہ اُٹھانے کی قوت پر ہوتا ہے۔

قانونِ تقلیلِ افادہ

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جب ایکدفعہ ہماری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ تو کم از کم اُس وقت کے لئے ہم اُس خاص چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور اُس وقت اُس چیز کا افادہ یا Utility ہماری نظروں میں کم ہو جاتا ہے۔ اِس قانون کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ گرمی کے موسم میں ایک طالب علم فٹ بال کھیلنے کے بعد سخت پیاس محسوس کرتا ہے اور پانی کے بغیر بے تاب ہوا جاتا ہے۔ قریب ہی ایک شربت والے کی دوکان ہے۔ اس دوکان سے یہ طالب علم شربت کا ایک گلاس پیتا ہے۔ جس سے اسے کافی تسکین ہو جاتی ہے۔ اس پیاس کی شدت میں شربت کا پہلا گلاس اسے بہت زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے۔ اِس لئے اس لڑکے کے نزدیک اِس گلاس کا افادہ بہت زیادہ ہے۔ فرض کرو کہ اِس گلاس

سے اسے سنّو درجے فائدہ پہنچا۔ چنانچہ پہلے گلاس کا افادہ سنّو درجے ہوا۔

چونکہ ابھی اس کی پیاس نہیں بجھی اس لئے یہ دوسرا گلاس مانگتا ہے لیکن دوسرا گلاس پہلے گلاس کی نسبت کم فائدہ پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اب اُس کی پیاس ایک حد تک بُجھ چُکی ہے۔ اِس لئے دوسرے گلاس کا افادہ پہلے گلاس کی نسبت کم ہے۔ فرض کرو کہ دوسرے گلاس کا افادہ صرف ساٹھ درجے ہے۔

دوسرے گلاس کے بعد بھی اُس کی پیاس بالکل نہیں بجھی۔ اِس لئے یہ شربت کا تیسرا گلاس مانگتا ہے۔ اب اُس کی پیاس نسبتاً کم ہے۔ اِس لئے تیسرے گلاس کا فائدہ بھی سب سے کم ہے۔ چنانچہ تیسرے گلاس کا افادہ صرف دس درجے ہے۔

اِن تینوں گلاسوں کے افادہ یا Utility کو ہم مندرجہ ذیل نقشہ سے ظاہر کر سکتے ہیں :۔

۱۔ پہلے گلاس کا افادہ یا Utility سنّو درجے۔

۲۔ دوسرے گلاس کا افادہ یا Utility ساٹھ درجے

۳۔ تیسرے گلاس کا افادہ یا Utility دس درجے

مندرجہ بالا مثال سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ جوں جوں اس طالب علم کی پیاس بجھتی جاتی ہے یا اُس کی ضرورت پوری ہوتی جاتی ہے، شربت کے گلاسوں کا افادہ یا Utility اُس کے نزدیک

کم ہوتا جاتا ہے۔ یہی حال دُنیا میں ہر چیز کا ہے۔ ہر چیز کا ضرورت سے زیادہ ہونا اُس کا افادہ یا Utility کم کر دیتا ہے اسی قانون کو اکنومکس میں قانونِ تقلیلِ افادہ یا Law of Diminishing utility کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا مثال میں پیاسا طالب علم شربت کے تین گلاس پیتا ہے اور ہر گلاس پینے کے بعد شربت کا افادہ یا (Utility) اس کے نزدیک کم ہوتی جاتی ہے۔ اِس مثال میں اس نے تین گلاس پیئے ہیں اور تیسرے گلاس کا افادہ صرف دس درجے ہے۔ اگر یہ طالب علم تیسرے گلاس پر شربت پینا ختم کر دے تو تیسرے گلاس کا افادہ یا (Utility ، جو اس مثال میں دس درجے ہے) افادۂ مختتم یا Marginal Utility کہلائیگی۔ اور تیسرا گلاس گلاسِ مختتم یا Marginal glass کہلائے گا۔

مندرجہ بالا مثال میں تینوں گلاسوں کے افادہ کو اگر جمع کر لیا جائے (یعنی ۱۰۰ درجے + ۶۰ درجے + ۱۰ درجے = ۱۷۰ درجے) تو یہ مجموعی افادہ، افادۂ کُل یا Total Utility کہلاتا ہے۔

دُنیا کی ہر چیز کے افادہ کا اندازہ اُنہی قوانین کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ضرورت پورا ہونے کے بعد ہر چیز کا افادہ گھٹ جاتا ہے۔

سوالات

۱۔ صَرفِ دولت سے اکنومکس میں کیا مراد ہے۔ کیا انسان مادہ صَرف کر سکتا ہے۔

۲۔ بچت کے کیا معنی ہیں۔ اسکے فائدے مثالوں سے واضح کرو۔

۳۔ افادہ کسے کہتے ہیں۔ قانونِ تقلیلِ افادہ کی تعریف مثالوں سے واضح کرو۔ اور اپنے جواب میں افادۂ مختتم اور افادۂ کُل کی تعریف بھی کرو۔

تیسرا باب

ضروریاتِ زندگی

پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر انسان کی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ بچے سے لیکر بوڑھا تک ضروریات کا احساس رکھتا ہے! ور انہیں پورا کرنا چاہتا ہے۔ دُنیا کا کوئی فرد بشر اس قانون سے بری نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ مختلف لوگوں کی ضروریات میں فرق ہوتا ہے مگر ضرورت کے لحاظ سے سب کی ضروریات ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے باشندے چونکہ گرم مُلک کے رہنے والے ہیں اس لئے اِن کی ضرورت صرف چند کپڑوں تک محدود رہتی ہے۔ لیکن انگلستان سرد ملک ہے اس لئے انگلستان کے باشندے گرم کپڑے کے محتاج ہیں۔ اِسی طرح بچے صرف دودھ اور ہلکی غذاؤں پر پرورش پاتے ہیں۔ اور بڑے بوڑھے انسان روٹی یا دوسری غذائیں کھاتے ہیں۔

ضروریات کی تقسیم۔ مختلف لوگوں کی ضروریات اگرچہ مختلف ہوتی ہیں۔

لیکن ایک ہی انسان کی ضروریات میں بھی بعض اوقات فرق ہوتا ہے بعض چیزوں کی ضرورت یہ اس قدر محسوس کرتا ہے کہ ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد کچھ چیزیں اس کی زندگی کو دلچسپ اور خوشگوار بناتی ہیں۔ اور بعض چیزیں صرف عیش و عشرت اور نام و نمود کے لئے پسند کرتا ہے۔ مختلف ضروریات میں اس قدر فرق دیکھتے ہوئے اکنومکس کے ماہروں نے ضروریات کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے تین درجوں میں مندرجہ ذیل طریقہ پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) بعض ضروریات اس قدر سخت ضروری اور اہم ہوتی ہیں کہ اُن کے پورا کئے بغیر کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ مثلاً زندگی کے لئے خوراک۔ اور معمولی لباس نہایت ضروری ہے۔ ایسی ضروریات کو اکنومکس کی اصطلاح میں "اشد ضروریات" یا Necessaries کہتے ہیں۔ بعض اوقات اس مد میں رہنے کے واسطے گھر۔ پہننے کے لئے لباس اور تمباکو سگرٹ وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ کیونکہ انسان ان چیزوں کا اس قدر عادی ہو جاتا ہے کہ ان کے بغیر اس کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ تم نے اکثر لوگوں کو سگرٹ اور تمباکو کا اس قدر عادی دیکھا ہوگا کہ بغیر سگرٹ پیئے یہ لوگ کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کے لئے سگرٹ اور تمباکو اشد ضروریات میں شامل ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ افیون کے اسقدر عادی ہو جاتے ہیں کہ خواہ کھانے کو خوراک ملے یا نہ ملے مگر افیون کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ان لوگوں

کے لئے افیون اشدّ ضروریاتِ زندگی میں شامل ہے۔

(۲) اشدّ ضروریاتِ زندگی پوری ہونے کے بعد انسان کو آرام کی سوجھتی ہے۔ یہ مانا کہ ایک شخص مُٹھی بھر چنوں پر زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن ذرا خیال تو کرو کہ ایسی خوراک سے اس میں کس قدر طاقت آسکتی ہے؟ اور ایسی زندگی انسان کے لئے کس قدر ناگوار ہوتی ہے۔ اِس لئے اشدّ ضروریات کے علاوہ انسان کے لئے کچھ آسائشیں بھی درکار ہیں۔ اگرچہ یہ مُٹھی بھر چنوں پر بھی زندہ رہ سکتا ہے لیکن اس میں کام کاج کی طاقت بڑھانے کے لئے عمدہ خوراک کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایسی چیزیں جو انسان میں کام کاج کی قوّت بڑھاتی ہیں اور اشدّ ضروریاتِ زندگی کے علاوہ ہوتی ہیں اکنومکس کی اصطلاح میں "آسائشیں" یا Comforts کہلاتی ہیں۔ مثلاً ایک مزدور کے لئے روزانہ روٹی۔ سالن۔ چاول وغیرہ آسائشوں میں داخل ہیں۔

(۳) ضروریات کی تقسیم میں تیسرا درجہ "نعمتوں" یا Luxuries کا ہے۔ غیر ضروری چیزوں کے استعمال کو عام طور پر "نعمتیں" کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک معمولی مزدور کے لئے اپنے کام پر موٹر میں بیٹھکر جانا "نعمت" یا Luxury ہے اسی طرح ایک غریب طالب علم کے لئے روزانہ سینما وغیرہ دیکھنا بھی "نعمت" ہے۔ نعمتوں کے استعمال سے انسان کی کام کاج کرنے کی قوّت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ یعنی

جس طرح آسائشوں کے استعمال سے اس میں زیادہ پھرتی اور تیزی آجاتی ہے اُسی طرح نعمتوں کے استعمال سے کوئی ظاہرا فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی دولت بیکار ضائع ہوتی ہے۔

لیکن بعض اکنومکس کے ماہروں کے نزدیک نعمتیں ایک لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں۔ بعض لوگ دولت صرف اسی لئے پیدا کرتے ہیں کہ آئندہ عیش و عشرت کر سکیں اور اسے نعمتیں حاصل کرنے میں صرف کریں۔ ان لوگوں کے لئے نعمتیں دولت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض رئیسوں اور امراء کے پاس لاتعداد دولت ہوتی ہے کہ یہ اس کا صحیح صحیح مصرف نہیں جانتے۔ ایسے لوگ جب اپنی دولت نعمتوں کے حصول میں صرف کرتے ہیں تو یہ حقدار لوگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور اس طرح تمام ملک کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک رئیس کسی سرکاری عہدہ دار کی دعوت میں ہزاروں روپیہ صرف کرتا ہے۔ دولت کا یہ خرچ "نعمتوں" یا Luxuries کے حصول میں ہوتا ہے۔ اس دعوت کے سلسلے میں بیسیوں غریب مزدوروں کو اپنے پیٹ پالنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور اس امیر کی بیکار دولت سے دوسروں کو تھوڑا بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ یا فرض کرو کہ تمہارے شہر کا کوئی لکھ پتی مہاجن ایک عالیشان عمارت تعمیر کراتا ہے۔ اس مہاجن کے پاس روپیہ بیکار پڑا تھا۔ اب مکان بنتے وقت یہ مزدوروں اور دوسرے

کام کرنے والوں کو مزدوری کی اُجرت میں مل گیا۔ ان باتوں کی وجہ سے بعض لوگ نعمتوں یا Luxuries کے حق میں ہیں۔ لیکن اکنومکس کے ماہروں کا دوسرا گروہ اس کے برخلاف ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ان رئیسوں اور امیروں کو غریبوں کی پرورش ہی منظور ہے تو اپنی دولت ایسے کاموں میں صرف کیوں نہیں کرتے کہ جس سے ملک اور قوم دونو کا فائدہ ہو۔ مثلاً کارخانے کھول دیں یا کوئی اور کام کاج کریں۔ دعوتوں اور دوسری عیش وعشرت کی چیزوں میں دولت کا صرف بالکل بیکار اور بے معنی ہے۔

اگرچہ ضروریات کو مندرجہ بالا طریقہ سے تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن قدرت نے ہر انسان کے مختلف حالات پیدا کئے ہیں۔ اگر کوئی غریب ہے۔ تو کوئی متوسط طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی امیر ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنی مالی حالت کے لحاظ سے اپنی دولت کو مختلف طریقہ سے تقسیم کرتا ہے۔ اس لئے ضروریات کی تقسیم کرتے ہوئے اُس شخص کی مالی حالت کا اندازہ ضرور لگا لینا چاہیئے کہ جس کے لئے تقسیم کی جا رہی ہے۔ بعض اوقات کچھ چیزیں کسی امیر شخص کے لئے اشار ضروریات ہوتی ہیں۔ لیکن وہی چیزیں متوسط طبقہ کے لئے آسائشوں میں شمار کی جاتی ہیں اور غرباء کے لئے "نعمتوں" میں گنی جاتی ہیں۔

مثلاً دھلی میں ڈاکٹر انصاری صاحب ایک بہت مشہور اور کامیاب

ڈاکٹر ہیں۔ روزانہ اِن کے پاس بیسیوں مریض آتے ہیں۔ اور اِن کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ اپنے مریضوں کے گھروں پر پیدل چل کر جائیں تو مشکل سے دن بھر میں دو چار مریض دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ مریضوں کے گھروں کا درمیانی فاصلہ بہت کافی ہوتا ہے۔ اور پیدل چلنے سے وقت بیکار ضائع ہوتا ہے۔ اِس لئے ڈاکٹر صاحب کے لئے موٹر کا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اگر ایک معمولی ڈاکٹر جس کے مریض بہت کم ہیں موٹر رکھے گا تو اُس کے لئے یہی موٹر "نعمت" تصور کی جائیگی۔ دوسری مثال دو طالب علموں کی دی جا سکتی ہے۔ دونو طالب علم اگرچہ ایک ہی مدرسہ اور ایک ہی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ لیکن ایک امیر باپ کا بیٹا ہے اور دوسرے طالب علم کا باپ غریب آدمی ہے۔ اِس مالی حالت کے فرق کی وجہ سے دونوں طالب علموں کی ضروریات بھی مختلف ہونگی۔ وہی چیزیں جو امیر طالب علم کے لئے ضروریات میں شامل ہیں غریب طالب علم کے لئے آسائش یا نعمت ہونگی۔ مثلاً عمدہ لباس۔ عمدہ خوراک۔ سائیکل اور فاؤنٹین پن امیر طالب علم کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ اس میں ان چیزوں کے خریدنے کی وسعت ہے۔ لیکن یہی چیزیں غریب طالب علم کے لئے آسائش یا Comfort بن جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کی مالی حالت خراب ہے اور وہ یہ چیزیں نہیں خرید سکتا۔ امیر طالب علم کے لئے سینما اور تھیٹر وغیرہ آسائشوں Comforts میں شامل

ہیں اور یہی سینما یا تھیٹر غریب طالب علم کے لئے نعمتیں یا Luxuries ہیں۔

آمدنی اور اخراجات کا تناسب:- اگر ہم اپنی روزانہ ضروریات کے پورا کرنے پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص سب سے پہلے اپنی اشد ضروریات یعنی Necessaries کے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد آسائشوں یا Comforts کا نمبر آتا ہے۔ اور سب سے آخیر میں نعمتوں یا Luxuries کے حصول پر غور کرتا ہے۔

یورپ میں اکنومکس کے ماہروں نے مُلک کے تینوں طبقوں یعنی غُربا۔ متوسط درجے کے لوگوں اور امیروں کی آمدنی اور اخراجات پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ غُربا، اپنی آمدنی میں سے تقریباً ۹۵ فیصدی اشد ضروریاتِ زندگی پر خرچ کرتے ہیں۔ اِن اشد ضروریات زندگی میں اِن کی خوراک۔ کپڑے۔ مکان کا کرایہ۔ اور ایندھن وغیرہ کے اخراجات شامل ہیں۔ متوسط طبقہ کے لوگ اپنی آمدنی میں سے ۹۰ فیصدی اشد ضروریات پر صَرف کرتے ہیں اور امراء و روساء اپنی آمدنی میں سے صرف ۸۵ فیصدی اشد ضروریات پر خرچ کرتے ہیں۔

اکنومکس کے ماہروں نے مندرجہ بالا اعداد و شمار سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے ہیں۔

(۱) جس قدر آمدنی کم ہوتی ہے۔ اُسی نسبت سے اشدّ ضروریات پر زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲) کپڑوں۔ ایندھن۔ اور مکان کے کرایہ پر آمدنی کی نسبت سے امیر غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ برابر خرچ کرتے ہیں۔

(۳) جس قدر آمدنی بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر تعلیم۔ حفظانِ صحت اور دوسری آسائشوں پر اخراجات بڑھتے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا نتائج سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ غُربا اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ اپنی اشدّ ضروریات پورا کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی آمدنی نہایت قلیل ہوتی ہے اور اشدّ ضروریات حاصل کرنے کے بعد دوسری آسائشوں کے حصول کے لئے اِن کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ امراء اشدّ ضروریات پر اپنی آمدنی کا کم حصّہ صرف کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اور اشدّ ضروریات پوری ہونے کے بعد بچ جاتی ہے اس لئے یہ آسائشوں اور نعمتوں پر بھی خرچ کر سکتے ہیں۔

بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ مختلف وجوہ کی بناء پر بعض لوگوں کی آمدنی یک لخت کم ہو جاتی ہے۔ اور اُنہیں غُربت اور افلاس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ لوگ اپنی آسائشوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور آمدنی کا زیادہ تر حصّہ اشدّ ضروریات پورا کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔

بعض دفعہ بازار کا بھاؤ ایکدم چڑھ جاتا ہے۔ یعنی تمام چیزوں کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ وہی گیہوں جو پہلے روپے کے سولہ سیر آتے تھے اب مشکل سے بارہ سیر کے قریب ملتے ہیں۔ یعنی اب گیہوں کا بھاؤ چڑھ گیا ہے۔ ایسی حالت میں امیر۔ متوسط درجے کے لوگ اور غریب سب پر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کی آمدنی تو وہی رہتی ہے لیکن روپیہ میں خریدنے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ یعنی چیزوں کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے۔ اب یہ لوگ اپنی آسائشوں اور نعمتوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے حصول کے لئے اِن لوگوں کے پاس روپیہ نہیں رہتا۔ اور وہ غریب جو پہلے سے ہی صرف اشدّ ضروریات پر قناعت کرتے تھے اب اور بھی اخراجات کم کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات حالات ایسے خراب ہوتے ہیں کہ مُلک میں قحط پڑ جاتا ہے۔ یعنی لوگ اشدّ ضروریات بھی مشکل سے حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔

ضروریات کی خصوصیات:۔ انسانی ضروریات پر غور کرنے سے اِن میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:۔

(۱) انسانی ضروریات لاتعداد ہیں۔ انسان اور حیوانات میں سب سے بڑا فرق ضروریات کا ہے۔ حیوانات کی ضروریات مختصر ہوتی ہیں لیکن انسان کی ضروریات کا تو حدّ و شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر آج ایک

چیز کی ضرورت ہے نو کل دوسری چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ انسان فطرتاً کسی ایک چیز پر قناعت نہیں کر سکتا۔ جوں جوں یہ تمدّن اور تہذیب میں ترقی کرتا جاتا ہے اس کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک وحشی یا ازمنہ اولیٰ کے انسان کی ضروریات نہایت مختصر ہوتی ہیں۔ لیکن ایک متمدّن اور مہذّب انسان کی ضروریات کا ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔

(۲) ضروریات ایک حد پر پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتی ہیں اور انسان انہیں پورا کرنے کے ذریعوں کی تلاش نہیں کرتا۔ مثلاً ایک بھوکا انسان بہت زیادہ بھوک محسوس کرتا ہے۔ لیکن خوراک ملنے کے بعد اسے اور خوراک کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح پیاسا انسان جب ایک دفعہ سیر ہو کر پانی پی چکتا ہے تو اس کے نزدیک پانی کا افادہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی اصول پر "قانونِ تقلیلِ افادہ یا Law of Diminishing utility بنایا گیا ہے جس کا ذکر دوسرے باب میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

(۳) بعض ضرورتیں مجموعی طور پر محسوس کی جاتی ہیں۔ مثلاً سگرٹ کے ساتھ دیا سلائی مانگی جاتی ہے یا موٹر کی ضرورت کے ساتھ ساتھ پٹرول کی ضرورت بھی شامل ہوتی ہے۔

(۴) اگر ایک ہی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک سے زیادہ چیزیں موجود ہوں تو ان چیزوں کا آپس میں مقابلہ ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت

پورا کرنے کے لئے بہترین چیز کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً شکر۔ گڑ۔ اور قند وغیرہ ایک ہی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ اِس لئے خریدتے وقت ہر شخص ان کا آپس میں مقابلہ کر لیتا ہے کہ کونسی چیز کا اِفادہ یا Utility زیادہ ہے۔

ضرورت اور ایجادات:۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل مشہور ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اِنسان کو کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تو ہر ممکن طریق سے یہ اُس کے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً تم نے الف لیلہ کے قصّوں میں سندھ باد جہازی کا حال ضرور پڑھا ہوگا۔ سندھ باد جہازی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جہاز کے ذریعہ بہت دُور دُور کے سفر کیا کرتا تھا۔ اور اکثر بحری سفروں میں اس کے جہاز تباہ ہو جاتے تھے اور یہ غیر آباد جزیروں میں بہ جاتا تھا۔ چونکہ اسے ان جزیروں میں رہنے کی ضرورت تھی اور اسے زندہ رہنے کیلئے کھانے پینے کا سامان بھی درکار تھا۔ اس لئے مختلف ترکیبوں سے اِن ضروریات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کی مثال ہماری روزانہ زندگی میں بھی ملتی ہے۔ اگر آج ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو فوراً اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دُنیا میں نئی ایجادیں صرف اسی وجہ سے ہوتی ہیں کہ پہلے اُن کی دل میں خواہش ہوتی ہے۔ پھر ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور بعد میں نئی نئی ایجادوں

کے ذریعہ یہ ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اِنہی ایجادوں کو دوسرے لوگ ترقی دے کر معراجِ کمال پر پہنچا دیتے ہیں۔

دُنیا بھر میں لنکا شائر اپنے کپڑے کے کارخانوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ آج کل یہ کارخانے بجلی کے ذریعے سے چلتے ہیں اور آنکھ جھپکنے میں لاکھوں گز کپڑا بُن دیتے ہیں۔ لیکن یہ کارخانے ہمیشہ سے اس قدر عمدہ پیمانے پر نہیں تھے۔ شروع شروع میں کپڑا کھڈیوں پر ہاتھ سے بُنا جاتا تھا۔ پھر پانی کے ذریعہ مشینیں چلنے لگیں۔ اس کے بعد بھاپ کا استعمال شروع ہوا۔ جب بجلی کی قوت دریافت ہوئی تو یہ سب مشینیں بجلی کے ذریعے چلائی جانے لگیں۔ یہ سب ترقیاں اور ایجادیں صرف اسی وجہ سے ہوئیں کہ لوگوں کو ان کی ضرورت کا احساس ہوا۔ لوگ کپڑے زیادہ جلدی بُننا چاہتے تھے۔ اس لئے بھاپ اور بجلی کی ایجادیں ہوئیں۔ اگر کسی کو ان کی ضرورت نہ ہوتی تو یہ ایجادیں اور ترقیاں بھی نہ ہوتیں۔

بھاپ اور بجلی کی ایجادوں کے بعد مُلک کی مختلف صنعتوں میں ترقی کا ہونا لازمی تھا۔ کپڑے کی ساخت میں عظیم الشان ترقی کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ کوئلہ لوہا اور دوسری معدنیات کانوں سے بہت جلد اور زیادہ مقدار میں نکلنے لگیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان چیزوں کی بڑھتی ہوئی پیداوار کو فروخت کس طرح کیا جائے۔ کیونکہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچانا بھی نہایت مشکل مسئلہ تھا۔

اِس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پہلے سڑکیں بنیں۔ جن پر قافلے تجارت کا سامان لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرتے تھے۔ باربرداری اور اسباب لیجانے کے لیے اونٹ، گھوڑے، خچر اور دوسرے جانور پالے گئے۔ سامان لادنے کے لئے بڑے بڑے چھکڑے اور گاڑیاں بنائی گئیں۔ سڑکوں کے علاوہ نقل وحرکت اور آمدورفت کا کام دریاؤں اور سمندروں سے بھی لیا گیا۔ دریا کے سینے پر لاکھوں من سامان لاد کر ایک مقام سے دوسری جگہ لیجایا گیا۔

لیکن سڑکوں اور دریاؤں پر سفر نہایت آہستہ ہوتے تھے۔ قافلے ایک مدت کے بعد واپس آتے تھے اور وسائل آمدورفت بھی نہایت محدود تھے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سے بھی جلدی سفر کیا جائے۔ اس ایجاد کا سہرا انگلستان کے سر ہے۔ جارج اسٹیفن سن نے ۱۸۱۳ء میں بھاپ کا انجن تیار کیا جو مال گاڑیاں کھینچا کرتا تھا۔ لیکن اُسوقت مسافر اِن گاڑیوں میں بیٹھنا اور سفر کرنا خطرناک سمجھتے تھے۔ اسی بھاپ سے دریاؤں اور سمندروں میں چلانے کے لئے دخانی جہاز اور کشتیاں ایجاد ہوئیں۔ اور آج ترقی کرتے کرتے تمام روئے زمین پر ریل اور جہاز رانی کا جال بچھ گیا ہے۔ جس کے ذریعہ دُنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک بغیر کسی خطرہ کے سفر کیا جاسکتا ہے۔ تیزی اور جلدی کی خواہش نے اب ہوائی جہاز کی شکل اختیار کرلی ہے ہوائی جہازوں کے ذریعہ دُنیا کا ایک مُلک دوسرے مُلک سے اس قدر قریب

ہوگیا ہے کہ وہی سفر جو مہینوں میں طے ہوتے تھے اب دِنوں اور گھنٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِن ایجادوں نے دُنیا بھر کی صنعت و حرفت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اب ہر مُلک میں تجارت بآسانی ہو سکتی ہے۔ اندرونی تجارت کے علاوہ بین الاقوامی تجارت کو بھی اِن ایجادوں سے بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے۔ کسی مُلک کی تجارت میں اُس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی جب تک اس کے وسائل آمدورفت عمدہ پیمانے پر نہ ہوں۔ جُوں جُوں اِن وسائل آمدورفت میں ترقی ہوتی جاتی ہے ملک کی صنعت وحرفت اور تجارت بھی بڑھتی جاتی ہے۔

ہندوستان زمانۂ قدیم سے تجارتی مُلک مشہور رہے۔ اس کے ساحلوں پر متعدد قدرتی بندرگاہیں موجود ہیں۔ جن پر ہمیشہ سے غیر مُلکوں کے جہاز جمع رہتے تھے۔ مُلک میں سڑکوں اور دریاؤں کے ذریعہ تجارت ہوتی تھی۔ چنانچہ کلکتہ سے پشاور تک سڑک اعظم شیر شاہ سوری نے تیار کروائی تھی۔ جس پر جگہ جگہ سرائیں اور کنوئیں آج تک موجود ہیں۔ دریائے گنگا۔ برہم پتر اور جمنا بھی تجارت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے مشہور تجارتی شہر دریاؤں کے کناروں پر آباد ہیں۔ مثلاً گنگا اور جمنا کے مقام اتصال پر الہ آباد۔ ہُگلی پر کلکتہ۔ جمنا پر آگرہ۔ دہلی اور بنارس، گومتی پر لکھنو اور راوی پر

لاہور تجارتی منڈیاں آباد ہیں۔

اب ریلوں کی ایجاد نے ملکی تجارت میں بہت زیادہ اضافہ کیا ہے۔ ملک کے چپّہ چپّہ پر ریلیں موجود ہیں۔ جن کے ذریعہ ملکی پیدا وار منڈیوں میں آکر فروخت ہوتی ہے۔ تار برقی اور ڈاک کے عمدہ انتظام کی وجہ سے روزانہ خبریں معلوم ہوتی ہیں۔ جس سے تجارت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ ریلوں کی وجہ سے ملک کے کسی حصّہ کے لوگ قحط سالی کے زمانہ میں بھوکے نہیں مر سکتے۔ کیونکہ ملک کے ایک حصّہ سے دوسرے حصّے تک سامان خورد و نوش اور دوسری ضروریات بآسانی پہنچائی جا سکتی ہیں۔

غرض ہندوستان میں وسائل نقل و حرکت کی ترقی اور ریلوں کی ایجاد نے ہر لحاظ سے ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ جسکا اثر ہندوستانی زندگی کے ہر پہلو پر ہوا ہے۔

سوالات

۱۔ شدّ ضروریات۔ نعمتوں اور آسائشوں کی تعریف کرو۔ مندرجہ ذیل چیزیں ایک امیر آدمی۔ ایک بڑھئی اور ایک طالب علم کے لحاظ سے کس طرح تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ پانی۔ گھی۔ ہوا۔ موٹر۔ آری۔ کتابیں۔ گیہوں بجلی کی روشنی۔ بائیسکل۔

۲۔ انسانی ضروریات کی خصوصیات بتاؤ۔

۳۔ آمدنی اور اخراجات میں کیا نسبت ہوتی ہے۔ ایک امیر۔ ایک متوسط درجہ کا آدمی اور ایک غریب آدمی اپنی آمدنی کس نسبت سے خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ اس ضرب المثل کو مثالوں سے واضح کرو۔ اور بتاؤ کہ وسائل آمد و رفت کی ترقی سے ملک کی اقتصادی حالت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ ہندوستانی مثالوں سے اپنے جواب کو واضح کرو۔

دوسرا حصّہ

پیدا وار دولت

یعنی

PRODUCTION

چوتھا باب

پیداوارِ دولت

تم صَرفِ دولت Consumption کے بیان میں پڑھ چکے ہو کہ انسان چیزوں کے فائدے پہنچانے کی قوّت یا اِن کے اِفادہ Utility کو استعمال کرکے برباد یا ضائع کرسکتا ہے لیکن اِن کے مادّہ یا Matter کو ضائع کرنا اس کی دسترس سے باہر ہے۔ اسی طرح انسان مادّہ کو ظاہراطور پر تبدیل کرکے یا اس کی شکل وصورت بدل کر اس میں افادہ یا Utility پیدا کرسکتا ہے۔ کوئی نیا مادّہ یا Matter نہیں بنا سکتا۔

مادّہ میں ایک نئے افادہ یا Utility پیدا کرنیکو اکنومکس میں پیداوارِ دولت یا Production کہتے ہیں۔

تم بازار میں سے گذرتے ہوئے روزانہ صنّاعوں اور کاریگروں کو کام کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ بڑھئی کرسی بناتا ہے۔ درزی کپڑے سیتا ہے۔ حلوائی مٹھائی بناکر بیچتا ہے۔ یہ سب لوگ دولت پیدا

کرتے ہیں۔ اس سے قبل لکڑی موجود تھی۔ لیکن بڑھئی نے اسی لکڑی کو کاٹ چھانٹ کر کرسی کی شکل میں کھڑا کر دیا۔ درزی نے کپڑے کو کاٹ کر کوٹ بنا دیا۔ اور حلوائی نے میدہ۔ شکر اور گھی ملا کر مٹھائی تیار کر دی۔ ان سب نے اگرچہ کوئی نیا مادہ نہیں بنایا۔ لیکن اسی پرانے مادہ کی شکل اور حیثیت بدل کر اس میں ایک فائدہ پہنچانے کی نئی قوت یا افادہ Utility پیدا کر دیا۔ کیونکہ لکڑی پہلے بیٹھنے کے کام نہیں آسکتی تھی۔ اب اسے اس کام میں لایا جا سکتا ہے۔ یعنی اس میں ایک نیا افادہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے بڑھئی نے دولت پیدا کی۔ پہلے کپڑا کوٹ کی طرح پہنا نہیں جا سکتا تھا۔ درزی نے اس کپڑے میں کوٹ کے استعمال کا افادہ یا Utility پیدا کر دیا۔ اس لئے درزی نے بھی دولت پیدا کی ہے مادہ میں نیا افادہ مندرجہ ذیل طریقوں سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(۱) بعض دفعہ ظاہرا شکل و صورت میں تبدیلی پیدا کر کے نیا افادہ پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً بڑھئی۔ درزی۔ اور حلوائی وغیرہ کا یہ فعل Form Utility یا شکلی افادہ کہلاتا ہے۔

۲۔ وہ لوگ جو چیزوں کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں اور ان کو ضرورت کے وقت لوگوں کے لئے مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ پھل وغیرہ خشک کرتے ہیں۔ اور بے موسمی پھلوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ فعل Time Utility یا وقتی افادہ کہلاتا ہے۔

(۳) وہ لوگ جو چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا کر ان میں ایک نیا افادہ پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً تاجر ایک جگہ سے مال لیجا کر دوسری جگہ فروخت کرتے ہیں یہ فعل (Place Utility) یا "افادۂ مقامی" کہلاتا ہے۔

پیداوار دولت سے مراد مندرجہ ذیل اشیاء کی پیداوار ہے :-

(۱) چیزوں کو زمین کی سطح یا اُس کے اندر سے حاصل کرنا۔ مثلاً کانوں سے دھاتیں نکلتی ہیں۔ یا سطح زمین پر اناج وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) چیزوں کی ساخت۔ مثلاً کپڑا بُننا۔ چاقو یا کرسیاں وغیرہ بنانا۔

(۳) مالِ تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا۔ مثلاً ریل یا جہازوں کے ذریعہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک مالِ تجارت لیجایا جاتا ہے۔

(۴) حاجت مند لوگوں کیلئے ان کی ضرورت کا مہیا کرنا۔ مثلاً تاجر ضرورت کے وقت ہر قسم کا سامان مہیا کر دیتے ہیں۔

(۵) کسی ضرورت کو بذاتِ خود پورا کرنا۔ مثلاً گانے اور موسیقی کے ماہر ہر وقت اپنی آواز اور فن سے دوسروں کو لطف اندوز کر سکتے ہیں:-

مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ایک کاشتکار بھی دولت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ سطح زمین پر گیہوں بو کر گیہوں کی فصل کا پیدا کرنا بھی ایک نیا افادہ پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح بڑھئی کرسیاں بنا کر ایک نیا افادہ پیدا کرتا ہے۔ تاجر تجارت کا سامان ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک لیجا کر ایک نیا افادہ پیدا کرتا ہے اور ایک گانے کا اُستاد اپنے فن سے دوسروں کو خوش کر کے ایک نیا

اِفادہ پیدا کرتا ہے- اِس لئے کاشتکار- بڑھئی- تاجر اور موسیقی کا ماہر سب دولت پیدا کرتے ہیں اور اِن کا اپنے اپنے کاروبار کا ہر فعل پیدا وارِ دولت یا Production کہلاتا ہے-

عاملینِ پیدائش:- تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ ہر کام میں بعض خاص چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن کے بغیر یہ نہیں کیا جا سکتا- مثلاً بڑھئی بغیر اوزاروں اور لکڑی کے کرسی نہیں بنا سکتا- اور بغیر بڑھئی کی محنت کے اوزار اور لکڑی کام نہیں آ سکتے- اسی طرح ایک کوٹ سِلنے کے لئے درزی کی محنت- کپڑے اور سوئی تاگے کی ضرورت ہے- اور حلوائی کو مٹھائی بنانے کے لئے لکڑیوں- گھی- میدہ اور شکر کی ضرورت ہوتی ہے-

تمہیں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر پیدا وارِ دولت میں مندرجہ ذیل چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:-

(۱) زمین یا Land

(۲) محنت یا Labour

(۳) سرمایہ یا Capital

(۴) تنظیم یا Organization

اِن چاروں چیزوں کو اکنومکس کی اصطلاح میں عاملینِ پیدائش یا Factors of Production کہتے ہیں-

مثلاً ایک بڑھئی کو کرسی بنانے کے لئے پہلے زمین کی ضرورت ہوتی

ہے کہ جس پر بیٹھ کر یہ اپنا کاروبار کرے۔ کیونکہ ہوا میں لٹک کر تو کرسی بن نہیں سکتی۔ زمین کے بعد بڑھئی اپنی محنت سے کرسی تیار کرتا ہے۔ کرسی بنانے کے لئے اوزاروں اور لکڑی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں صرف سرمایہ سے خریدی جا سکتی ہیں اس لئے اسے سرمایہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے زیادہ بڑھئی کی عقل کی ضرورت ہے کہ یہ تمام کام کاج سوچ سمجھ کر کرے۔ اور سرمایہ کو عقلمندی سے خرچ کرے کہیں ضرورت سے زیادہ لکڑی نہ لے آئے یا گاہک کی مرضی کے خلاف کرسی کو بدنما یا بھدّا نہ بنا دے۔ بڑھئی کی اس عقلمندی اور کام کاج کی قوت کو اکنومکس میں تنظیم یا Organization کہتے ہیں۔

غرض بڑھئی کے کرسی بنانے میں زمین۔ محنت۔ سرمایہ اور تنظیم نے مل کر مدد دی۔ اگر یہ چاروں عاملین پیدائش جمع نہ ہوتے تو کرسی نہیں بن سکتی تھی۔

دنیا میں پیداوار دولت یا Production کا ہر فعل انہی چاروں عاملینِ پیدائش کا محتاج ہے۔ ان کے بغیر کوئی دولت پیدا نہیں ہو سکتی۔

انسانی تمدّن کی ترقی:۔ تمہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ انسان اوّل دن سے ایسی عمدہ کرسیاں۔ مکانات اور دوسری ضرورت کی چیزیں بنا لیتا تھا۔ یہ کام تو اسے ایک مدت کے بعد آیا ہے۔

(۱) تم نے شاید تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ اول اول انسان نہایت وحشی اور غیر مہذّب تھا۔ یہ جنگلوں میں رہا کرتا تھا۔ پتّوں سے اپنا جسم ڈھانکتا تھا۔ اس کا گذارہ جنگل کے جانوروں پر تھا۔ جب کبھی بھوک ستاتی تھی۔ بھاگ دوڑ کے بعد ایک آدھ جانور پکڑ لیتا تھا اور اُسے کھا کر سیر ہو جاتا تھا۔ اس زمانہ کو تاریخی زبان میں شکاری زمانہ یا Hunting Stage کہتے ہیں۔

(۲) ایک مدّت کے بعد انسان میں عقل آنی شروع ہوئی۔ جنگلوں اور صحراؤں سے نکل کر سیراب علاقوں میں رہنے لگا۔ اپنے کام کاج اور خدمت کے لئے جنگلی جانوروں میں سے چند ضروری جانوروں کو منتخب کر لیا۔ اور اس طرح سدھا لیا کہ ہر وقت اس کے کام آنے لگے۔ اس زمانہ میں مویشیوں سے بہت کام لیا جاتا تھا۔ ہر گروہ کے ساتھ بھیڑ بکریوں کا ایک گلّہ ہوتا تھا۔ ان کا دودھ پیتے تھے۔ گوشت کھاتے تھے۔ اور اُن کی کھال سے اپنا بدن ڈھانپتے تھے۔ اس زمانے کو گڈریوں کا زمانہ یا Pastoral Stage کہتے ہیں۔

(۳) انسان نے تمدّن میں اور ترقی کی تو اسے زمین کی طاقت اور قوت کا احساس ہوا۔ اب خانہ بدوشی چھوڑ دی۔ اور ہر گروہ نے اپنے مطلب کی زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس میں کھانے کے لئے اناج کی کاشت کرنے لگے اس زمانہ کو کاشتکاری کا زمانہ یا Agricultural Stage کہتے ہیں۔

(۴) انسان نے ترقی اور تمدّن کی طرف اور قدم بڑھایا تو اس کی ضرورتیں بڑھنے لگیں۔ اُنہیں پورا کرنے کے لئے صنعت و حرفت اور دستکاری کے متعلق ایجادیں ہوئیں۔ ایک مُلک کا دوسرے مُلک سے رابطۂ اتحاد بڑھا۔ تجارت ہونے لگی۔ اسی زمانہ میں کشتیاں جہاز۔ اور دوسری مفید ایجادیں ہونی شروع ہوئیں اُس زمانے کو دستکاری کا زمانہ یا Handicraft Stage کہتے ہیں۔

سوالات

۱۔ "پیداوارِ دولت" سے کیا مراد ہے۔ انسان کیا چیز پیدا کرتا ہے؟

۲۔ "پیداوارِ دولت" کی مختلف قسمیں بتاؤ۔

۳۔ عاملینِ پیدائش کی تعریف کرو۔ اور مثالیں دیکر بتاؤ کہ پیداوارِ دولت کا کوئی فعل ان کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

۴۔ انسانی تمدّن کی مختلف منزلوں کی تشریح کرو۔

پانچواں باب

عاملینِ پیدائش۔ زمین

اکنومکس کی اصطلاح میں "زمین" یا Land سے مطلب صرف زمین کی بیرونی سطح نہیں ہوتا بلکہ لفظِ "زمین" میں زمین کی بیرونی سطح کے علاوہ زمین کی معدنی پیداوار۔ دریا۔ آب وہوا۔ اور اس کی زرخیزی۔ جنگل۔ اور پہاڑ بھی شامل ہیں۔ اس لئے اکنومکس کے طالب علموں کو زمین کا لفظ نہایت سوچ سمجھکر استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ اکنومکس کے علم میں زمین کو بہت زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض انگریز مصنّف زمین یا Land کو Nature کہتے ہیں۔ جس سے مطلب بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ زمین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکی مقدار انسان اپنی مرضی سے گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔ یہ قدرت کے اختیار میں ہے کہ جسقدر زمین چاہے انسان کو دیدے۔ انسان اپنی محنت اور کوشش سے کوئی نئی زمین پیدا نہیں کرسکتا۔

پیداوار دولت میں زمین بہت ضروری خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ عاملینِ پیدائش یا Factors of Production میں اس کا درجہ بہت بلند اور ضروری ہے۔ دُنیا میں کسی قسم کی دولت بغیر زمین کی مدد کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ انسان کی ہر ضرورت زمین کی معرفت پوری ہوتی ہے۔ انسان کے کھانے کو اناج۔ پھل۔ ترکاریاں زمین پر بوئی جاتی ہیں۔ پینے کو پانی زمین سے نکلتا ہے۔ کپڑا روئی سے بُنا جاتا ہے۔ جلانے کو ایندھن۔ لکڑی۔ تیل۔ اور کوئلہ زمین ہی پیدا کرتی ہے۔ استعمال کرنے کے لئے لوہا۔ پیتل۔ تانبا اور زیورات کے لئے چاندی۔ سونا۔ ہیرے جواہرات بھی زمین ہی سے نکلتے ہیں اس لئے ہر مُلک کی اقتصادی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی زمین پر غور کیا جاتا ہے۔

زمین سے سب سے زیادہ کام کاشتکاری کا لیا جاتا ہے۔ تمام دُنیا کے لئے اناج اور غلّہ زمین سے ہی اُگتا ہے۔ دہلی سے ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ چاروں طرف ہرے بھرے کھیت نظر آئیں گے۔ ان میں انسان کی غذا کے لئے مختلف اناج بوئے جاتے ہیں۔ فصل پکنے کے بعد یہ اناج کٹتا ہے اور منڈیوں میں آکر فروخت ہوتا ہے۔

قانونِ تقلیلِ حاصل:۔

کبھی تم نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ ایک کسان اس قدر لمبی

چوڑی زمین پر کاشت کیوں کرتا ہے۔ تھوڑی سی زمین کو خوب اچھی طرح جوت کر اپنی ساری ضروریات کا سامان اسی سے کیوں نہیں پیدا کر لیتا۔ اس سوال کے جواب کے لئے تمہیں اکنومکس کے ایک مشہور قانون کی ضرورت پڑیگی۔ جس کا ذکر ذیل کی سطور میں کیا جاتا ہے۔

زمین میں پیداوار کی قوّت ضرور ہے لیکن جس طرح کہ ایک انسان اپنی طاقت اور قوّت سے زیادہ کام نہیں کر سکتا یا ایک گھوڑا یا خچّر اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اُسی طرح زمین میں بھی پیداوار کی محدود طاقت ہوتی ہے۔ جب اُس کی پیداوار اُس خاص حد تک پہنچ جاتی ہے تو اُسپر زیادہ محنت اور سرمایہ صرف کرنا فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔ اب تم کہوگے کہ گھوڑے یا خچّر کی طاقت کا اندازہ تو اس طرح لگ جاتا ہے کہ جب اس پر بوجھ زیادہ لد جائے تو یہ چل نہیں سکتا۔ لیکن زمین بے جان چیز ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور کسانوں کو یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ اب اُس پر زیادہ محنت اور سرمایہ لگانا فائدہ مند ثابت نہیں ہوگا۔ کسانوں کو زمین کی طاقت کا اندازہ اپنے تجربے سے ہو جاتا ہے۔ اِس بات کو سمجھنے کے لئے تمہیں پہلے ایک مثال سمجھنی پڑیگی:-

فرض کرو کہ ایک کاشتکار کے پاس ایک بیگھ زمین ہے۔ یہ اسے جلدی جلدی جوتتا ہے اور اُسپر صرف دس روپے لاگت کا سرمایہ

اور محنت لگاتا ہے فصل کٹنے پر اسے چار من گیہوں وصول ہوتی ہے۔ دوسرے سال بہ دس۱۰ روپے کے سرمایہ اور محنت کی جگہ بیس روپیہ لگاتا ہے۔ اس دفعہ اگرچہ گذشتہ اصول کے مطابق اس کا حق صرف چار من گیہوں کی زیادتی کا تھا۔ لیکن فصل کٹنے پر اسے نو۹ من گیہوں وصول ہوئے۔ یعنی اِس دفعہ دوسرے دس۱۰ روپیوں کی زیادتی نے نسبتاً ایک من گیہوں بڑھا دئے۔ گویا اس کو دوسرے دس۱۰ روپیوں سے ایک من گیہوں کا فائدہ ہوا۔ اسے اکنومکس میں قانونِ تکثیر حاصل یا Increasing Returns کہتے ہیں۔ تیسری مرتبہ بہ بیس۲۰ روپیوں کے سرمایہ اور محنت کی بجائے تیس۳۰ روپے لاگت کا سرمایہ اور محنت اسی ایک بیگھہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ اور فصلیں اُٹھنے پر اسے کل ۱۱ من گیہوں وصول ہوتی ہے۔ یعنی تیسرے دس۱۰ روپیوں سے اسے فقط ۲ من گیہوں ملی۔ یعنی اب اتنا ہی سرمایہ نسبتاً کم پیداوار حاصل کرتا ہے۔ اس حد پر پہنچنے کے بعد کاشتکار کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب اس زمین پر زیادہ روپیہ لگانا بیکار ہے۔ کیونکہ زیادہ سرمایہ اور محنت سے نسبتاً کم گیہوں وصول ہوتی ہے۔ اس قانون کو اکنومکس میں قانونِ تقلیلِ حاصل یا Law of Diminishing Returns کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا مثال کو ذیل کے نقشہ سے بھی ظاہر کر سکتے ہیں:-

(۱) ۱۰ روپے کے محنت اور سرمایہ کی لاگت سے ۴ من گیہوں وصول ہوئی۔

(۲) ۲۰ روپے (۱۰+۱۰) " " ۹ من (۴+۵) " (تکثیر حاصل)

(۳) ۳۰ روپے (۱۰+۱۰+۱۰) کے محنت اور سرمایہ کی لاگت سے ۱۱ من
(۴+۵+۲) من گیہوں وصول ہوئی (تقلیلِ حاصل)

کاشتکار کو تجربہ بتادیگا کہ زمین ایک خاص حد تک پیداوار میں زیادتی کرتی رہتی ہے۔ اس حد پر پہنچنے کے بعد اُسے زیادہ سرمایہ لگانے سے کم پیداوار ہوتی ہے۔ یعنی قانون تقلیلِ حاصل Law of Diminishing Returns کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اس حد پر پہنچنے کے بعد کاشتکار اس زمین کو جوتنا اور اُس پر زیادہ سرمایہ لگانے کا خیال ترک کردیتے ہیں۔ اور دوسری زمین پر کاشت شروع کردیتے ہیں۔

اگر قانون تقلیل حاصل کا عمل زمین پر نہ ہوتا تو تمام کاشتکار ایک ہی قطعۂ زمین سے اپنی تمام ضروریات پیدا کیا کرتے۔ اور دوسری زمینوں کا کرایہ دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اسی قانون تقلیل حاصل کی وجہ سے دہلی کے کاشتکار تمام دہلی کی ضروریات کے موافق اناج دہلی کے آس پاس کی زمینوں سے پیدا نہیں کرسکتے۔ بلکہ انہیں دوسرے علاقے کی زمینیں بھی کرایہ پر لینی پڑتی ہیں۔

بعض اوقات کاشتکار قانون تقلیلِ حاصل کا عمل تھوڑی سی مدت کے لئے ٹال بھی سکتے ہیں۔ یعنی جب دیکھتے ہیں کہ پیداوار میں نسبتاً کمی آتی جاتی ہے۔ تو عمدہ کھاد وغیرہ کا استعمال شروع کردیتے ہیں اور زمین کی نئے نئے اصولوں پر کاشت کرنے لگتے ہیں جبکی

وجہ سے قانون تقلیل حاصل تھوڑی سی مدت کے لئے ٹل جاتا ہے۔ مگر کاشتکاروں کی یہ ترکیبیں اسے زیادہ مدت تک ٹال نہیں سکتیں۔ چند سال بعد پھر وہی نوبت آجاتی ہے اور اُنہیں اس زمین پر زیادہ سرمایہ اور محنت سے نقصان ہونے لگتا ہے۔

قانون تقلیلِ حاصل زراعت اور کاشتکاری کے علاوہ کارخانوں اور صنعت وحرفت پر بھی عائد ہوتا ہے۔ بعض کارخانے اس قدر وسیع پیمانہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی نگہداشت اور کاروبار کی دیکھ بھال مشکل ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں کام کاج میں نقصان ہونے لگتا ہے اور کام روز بروز گرتا جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ سرمایہ سے نسبتاً کم پیداوار ہونے لگتی ہے یا دوسرے لفظوں میں کارخانے پر تقلیلِ حاصل کا قانون عمل کرنے لگتا ہے۔

ہندوستان کے اقتصادی حالات:- تم نے ہندوستان کا نقشہ تو ضرور دیکھا ہوگا۔ اس کے شمال میں کوہ ہمالیہ کا سلسلہ ہے، جو ہندوستان کے لئے فصیل کا کام کرتا ہے۔ اُس کے مغرب میں بحیرۂ عرب اور جنوب میں بحیرۂ ہند و خلیج بنگال ہیں۔ اور اُس کے مشرق میں برما ہے۔ بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال سے گرمیوں کے موسم میں مون سون ہوائیں اُٹھتی ہیں جن سے مُلک کا اکثر حصّہ سیراب ہوتا ہے۔ یہ ہوائیں شمال میں کوہ ہمالیہ سے ٹکرا کر ہندوستان ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اِس وجہ سے مُلک کے اس حصہ میں

بارشس خوب ہوتی ہے۔

ہندوستان کا رقبہ ۱۸۰۲۶۵۷ مربع میل ہے۔ جس میں سے ۱۰۹۳۰۷۴ مربع میل یا ۶۰۰۶ فیصدی رقبہ پر حکومتِ برطانیہ قابض ہے۔ اور باقی علاقہ ہندوستانی راجاؤں اور نوابوں کے قبضہ میں ہے۔

ہندوستان اس قدر وسیع ملک ہے کہ بعض مصنفوں نے اسے برّاعظم کا خطاب دیا ہے۔ کیونکہ تمام ملک اس قدر مختلف علاقوں اور باشندوں میں منقسم ہے کہ اسے ایک ملک کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

سطح اور جغرافیائی نقطۂ نظر کے لحاظ سے اسے تین حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) کوہ ہمالیہ کا سلسلہ۔ (۲) گنگا کا میدان (۳) دکن کا علاقہ۔ (۱) کوہ ہمالیہ کا سلسلہ ہندوستان کے شمال میں تقریبًا ۱۵۰۰ میل تک چلا گیا ہے۔ اس علاقہ میں دنیا بھر کی بہترین خوشنما وادی کشمیر بھی شامل ہے۔ کوہ ہمالیہ دنیا میں سب سے بلند پہاڑ ہے اور اسکی سطح سمندر سے اوسط بلندی تقریبًا ۱۹۰۰۰ فٹ ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ سطح سمندر سے ۲۷۰۰۰ فٹ بلند ہے جس پر آج تک کوئی انسان نہیں چڑھ سکا۔ کوہ ہمالیہ کے سلسلہ میں کوہ سلیمان اور کوہ ہندوکش بھی شامل ہیں۔

کوہ ہمالیہ کا سب سے بڑا فائدہ ہندوستان کو یہ ہے کہ موسمی ہوائیں بارش کے بخارات سے پُر ہو کر جب سمندر سے اُٹھتی ہیں تو اس سے ٹکرا کر ہندوستان ہی میں رہ جاتی ہیں اس طرح ہندوستان میں بارش

کی قلت نہیں ہوتی۔ کثرتِ بارش کی وجہ سے ہمالیہ کی وادیوں میں گھنے جنگلوں کی افراط ہے۔ جن سے مُلک کو دیودار اور چیل کی لکڑی ملتی ہے۔ شمالی ہندوستان کے بڑے بڑے دریا کوہ ہمالیہ ہی سے نکلتے ہیں۔ جن سے مُلک کا اکثر حصّہ سیراب ہوتا ہے۔

(۲) گنگا کا میدان عرض میں ۱۵۰ میل سے لیکر ۳۰۰ میل تک چوڑا ہے۔ اس میدان کو دریائے سندھ - دریائے گنگا اور برہم پتر سیراب کرتے ہیں جو کوہ ہمالیہ سے نکلتے ہیں - یہ دریا بہت آہستہ آہستہ بہتے ہیں اور اپنے ساتھ زرخیز مٹی بھی لاتے ہیں - اس لئے یہ علاقے بہت زرخیز ہیں - اِن دریاؤں سے جہاز رانی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔

(۳) دکن کا علاقہ - گنگا کے میدان کے جنوب میں دکن کا علاقہ واقع ہے یہ حصّہ زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہے - اس کے شمال میں بندھیاچل کا سلسلہ اسے تمام ہندوستان سے علیحدہ کرتا ہے اس کے مغرب اور مشرق میں مغربی گھاٹ اور مشرقی گھاٹ کے پہاڑوں کا سلسلہ متوازی طور پر حائل ہے - اس علاقہ کو نربدا - تاپتی - مہاندی - گوداوری - کرشنا اور کاویری سیراب کرتے ہیں - دکن کی زمین نہایت سخت ہے - اس کے مغرب میں سیاہ مٹی پائی جاتی ہے - جو کپاس کیلئے بہت موزوں ہے۔

ہندوستان کا جغرافیائی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس ملک کا محلِ وقوع اور آب وہوا زراعت کے حق میں ہے اسی وجہ سے اس کی آبادی میں سے تقریباً ۸۰ فیصدی

باشندے زراعت اور کاشتکاری پر گذارہ کرتے ہیں۔

ہندوستان میں فصلوں کا انحصار زیادہ تر بارش پر ہوتا ہے۔ جس سال بارش اچھی ہو جاتی ہے فصلیں بھی عمدہ ہوتی ہیں۔ جس سال بارش نہیں ہوتی فصلیں بھی نہیں ہوتیں۔ اور جس سال بارش بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ فصلیں سیلاب کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہیں۔

ہندوستان میں بارش چونکہ یقینی طور پر نہیں ہوتی اس دقت اور مشکل کو رفع کرنے کے لئے ملک میں جا بجا آب رسانی کا انتظام ہو رہا ہے۔ پنجاب میں نہروں کے ذریعے ہزاروں ایکڑ زمین کو سیراب کیا جا رہا ہے۔ اس علاقہ میں نہروں کا جال اس خوبصورتی اور کامیابی سے بچھایا گیا ہے کہ وہی علاقے جو آج سے چند سال پہلے بالکل بیابان اور بے آب و گیاہ تھے اور جہاں آدمی کے نام کو چڑیا کا بچہ بھی نہیں ملتا تھا۔ اب وہی علاقے اپنی شادابی اور زرخیزی میں بے مثل ہیں حال ہی میں دُنیا کا سب سے بڑا آب رسانی کا ذریعہ سکھر بیراج کی شکل میں تعمیر ہوا ہے۔ اس اسکیم سے راجپوتانہ۔ بیکانیر۔ بہاولپور اور پنجاب کے علاقے سیراب کئے جائیں گے۔ اُمید ہے کہ اس شاندار اسکیم کی وجہ سے مُلک کی خوشحالی اور بہبودی میں معتد بہ ترقی ہو جائیگی۔

ہندوستان میں دو فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ (۱) خریف یا ساؤنی اور (۲) ربیع۔ شمالی ہند میں فصل ربیع میں گیہوں۔ باجرہ۔ تل۔ تمباکو۔ پوست۔ بوتے ہیں۔ فصل خریف میں عام طور پر چاول۔ نیل اور جوار بُویا

جاتا ہے۔

ہندوستان اپنی زراعتی پیداوار کی وجہ سے تمام دُنیا میں مشہور ہے۔ اس کی زمین اور آب وہوا نے اسے مدّت سے زراعتی ملک کی حیثیت دے دی ہے۔ اِس لئے اس کی آبادی کا انحصار زیادہ تر اس ملک کی زراعت پر ہے۔

ہندوستان میں زیادہ تر مندرجہ ذیل چیزیں بوئی جاتی ہیں:۔

(۱) غلّہ اور اناج۔ مثلاً چاول۔ گیہوں۔ چنا۔ جو۔ جوار۔ باجرہ اور دالیں وغیرہ۔

(۲) تِل مثلاً سرسوں۔ اور دوسری ایسی چیزیں جنکا تیل نکالا جاتا ہے۔

(۳) کپاس اور سَن۔

(۴) نیل اور رنگنے کے لئے دوسری چیزیں۔

(۵) دوائیں اور جڑی بوٹیاں۔ مثلاً افیون۔ چار اور تمباکو وغیرہ۔

(۶) جانوروں کیلئے گھاس اور چارہ وغیرہ۔

(۷) پھل۔ میوہ جات اور سبزیاں۔

ہندوستان میں پالتو جانور بھی بہت کثرت سے پالے جاتے ہیں۔ کیونکہ زراعت کا انحصار جانوروں پر ہے۔ پنجاب میں خاص طور پر جانوروں کی پرورش کا اعلےٰ انتظام ہے۔ لائل پور زراعتی کالج میں جانوروں کی نگہداشت اور ان کے پالنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ کان پور اور پُوسا میں بھی زراعتی کالج موجود ہیں، جن سے مُلک

کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ لیکن عام طور پر دوسرے یورپ کے ملکوں کی نسبت ہندوستان کے جانور بہت کمزور ہیں۔ اس کی وجہ ہمارے باشندوں کی جہالت اور غربت ہے۔ ہمارے ملک میں ابھی جانوروں کے دودھ سے نئے طریقے پر مکھن وغیرہ نکالنے کے رواج نے ترقی حاصل نہیں کی ہے۔ یورپ کے اکثر ممالک میں ڈیری فارموں Dairy Farms سے بہت کافی دولت پیدا کی جا رہی ہے۔

ہندوستان معدنی پیداوار کے لحاظ سے بھی بہت امیر ہے لیکن ابھی ہندوستانیوں کو کانوں سے پیداوار حاصل کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے ہندوستان کی معدنی پیداوار زیادہ تر زمین کے نیچے پوشیدہ ہے۔ یا ان پر غیر ملکوں کے باشندوں کا قبضہ ہے۔ اور ہندوستانی صرف مزدوروں کے طور پر کام کر رہے ہیں:-

(۱) کوئلہ کی کانیں زیادہ تر بنگال۔ بہار۔ اور اڑیسہ میں پائی جاتی ہیں جن سے ہر سال لاکھوں من کوئلہ نکل کر ہندوستان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔

(۲) لوہا زیادہ تر بنگال۔ صوبجات متوسط کے شمال مشرق کے اضلاع اڑیسہ اور برما سے برآمد ہوتا ہے۔

(۳) پٹرولیم اور مٹی کا تیل برما۔ آسام۔ بلوچستان۔ اور اٹک میں پایا جاتا ہے۔

(۴) نمک کھیوڑہ کی کانوں اور جھیل سانبھر سے نکلتا ہے۔

ہندوستانی صنعتیں:- ہندوستان کی صنعتیں ایک مدت سے تمام دُنیا میں مشہور ہیں۔ ڈھاکے کی ململ۔ مرشد آباد کا سلک۔ احمد آباد کا کپڑا دور دور مشہور تھے کشمیری شالیں آج تک اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ مُلک میں اس وقت بھی متعدد صنعتیں اور دستکاریاں بہت عمدہ پیمانہ پر کام کر رہی ہیں۔

(۱) بمبئی اور صوبجات متوسط میں گذشتہ نصف صدی سے کپڑا بننے کے کارخانے بہت ترقی کر رہے ہیں۔ یہ کارخانے زیادہ تر بجلی کی طاقت سے چلتے ہیں۔ اِن میں معمولی کپڑوں کے علاوہ سلک اور ریشمی پارچہ جات بھی بُنے جاتے ہیں۔ گذشتہ سالوں میں سودیشی کی تحریک کی وجہ سے اِن کارخانوں نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اب دہلی میں بھی کپڑا بننے کی ملیں کھولی گئی ہیں۔ جن میں دہلی کلاتھ ملز اور برلا ملز بہت مشہور ہیں۔

(۲) اونی کپڑا بننے میں دھاریوال اور لال املی کی ملوں نے بہت نام پیدا کیا ہے۔ یہ ملیں پنجاب اور یو۔ پی میں نہایت عمدہ پیمانے پر کام کر رہی ہیں۔

(۳) سَن کی صنعت زیادہ تر بنگال میں ہے۔ کیونکہ سَن کی پیداوار بنگال تک محدود ہے۔ سَن کی پیداوار ہندوستان میں تمام دُنیا کے دوسرے ممالک سے زیادہ ہوتی ہے۔ اِس طرح ہندوستان سَن کی صنعت کا واحد اجارہ دار ہے۔ لیکن یہ صنعت زیادہ تر انگریزوں

کے قبضہ میں ہے۔

(۴) کاغذ بنانے کے کارخانے بنگال۔ بمبئی اور لکھنؤ میں موجود ہیں بنگال کا سودیشی کاغذ تمام مُلک میں مشہور ہے۔

(۵) چار کی کاشت زیادہ تر آسام کی وادیوں میں ہوتی ہے۔ لیکن چار کے کھیت بھی انگریزوں اور دوسرے غیر مُلک کے باشندوں کے قبضہ میں ہیں۔

اِن بڑی بڑی صنعتوں کے علاوہ مُلک کے اکثر شہروں میں مقامی طور پر بہت سے کاروبار ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً علی گڑھ کے قفل۔ مرشد آباد اور بنارس کے ریشمی کپڑے بہت مشہور ہیں۔ لوہے کے کارخانے جمشید پور میں بہت ترقی کر رہے ہیں۔ ٹاٹا اسٹیل کمپنی جمشید پور کی ساختہ چیزیں دور دور تک مشہور ہیں۔

ہندوستان کے ذرائع آمد و رفت میں ریل کی ایجاد نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اب مُلک کے ہر گوشہ میں ریلیں موجود ہیں جن کی وجہ سے تمام شہر اور چھوٹے چھوٹے قصبے تک ایک دوسرے سے مِل گئے ہیں۔ لیکن بعض علاقے اب تک ریلوں سے محروم ہیں۔ اِن کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ضرورت ہے کہ اِن علاقوں میں بھی ریلوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ ریلوں کے علاوہ مُلک کے اکثر حصّوں میں موٹر لاریاں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے ساحلوں پر متعدد قدرتی بندرگاہیں موجود ہیں جو اسکی بین الاقوامی تجارت میں مدد کرتی ہیں۔

ہندوستان کی آبادی ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ۳۵۱
۵۰۶۸۹۰۸ ہے۔ جس میں سے ۷۷ فیصدی باشندے برطانوی ہندوستان
میں رہتے ہیں۔ اور باقی ۲۳ فیصدی ریاستوں میں آباد ہیں۔ تمام
ہندوستان میں اوسطاً فی میل ۱۷۷ باشندے آباد ہیں یہ تعداد
یورپ کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ہندوستانی
آبادی میں سے تقریباً ۹۰ فیصدی لوگ دیہات میں رہتے ہیں۔ ملک
میں بڑے بڑے شہر گاؤں اور دیہات کی نسبت بہت کم ہیں۔ کیونکہ
آبادی زیادہ تر زراعت پیشہ ہے۔ اور زراعتی باشندے دیہات
میں رہ کر ہی زراعت کر سکتے ہیں۔

سوالات

۱۔ "زمین" سے اکنومکس میں کیا مراد لی جاتی ہے۔ "زمین" کی "پیداوار و دولت" میں کیا اہمیت ہے۔

۲۔ دھلی کے تمام کاشتکار ایک ہی قطعۂ زمین سے اپنی تمام ضروریات پوری کیوں نہیں کرتے۔ مثالیں دیکر "قانون تقلیل حاصل" کی تعریف کرو۔

۳۔ ہندوستان کے اقتصادی حالات بیان کرو۔ اسکی معدنی پیداوار۔ زراعتی پیداوار۔ دستکاریوں اور صنعتوں۔ اور وسائل آمدورفت پر مختصر نوٹ لکھو۔

چھٹا باب

عاملین پیدائش محنت

محنت یا Labour سے مراد اکنومکس کی اصطلاح میں اُن تمام جسمانی اور دماغی کوششوں کا مجموعہ ہے جو پیداوارِ دولت میں انسان استعمال کرتا ہے۔ پیداوارِ دولت کی زیادتی کا انحصار زمین اور محنت دونوں پر ہے۔ کیونکہ ہر ایک پیداوارِ دولت کے لئے خاص طور پر زمین اور محنت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہم روزمرّہ گفتگو میں محنت یا Labour کا لفظ صرف معمولی درجے کے مزدوروں کے لئے استعمال کرتے ہیں جو زیادہ تر کام اپنے ہاتھوں اور جسمانی قوّت سے کرتے ہیں۔ لیکن اکنومکس کے علم میں محنت یا Labour کا لفظ ہر جسمانی اور دماغی کوشش کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ یہ کوشش کوئی ادنیٰ درجہ کا انسان کرے یا کوئی بہت بڑا رئیس۔ مثلاً ایک معمولی لوہار اپنے بازوؤں کی قوّت سے اوزار بناتا ہے۔

یہ محنت یا Labour ہے۔ اسی طرح دُنیا کا ایک مشہور سائنسداں اپنے دماغ کی اعلیٰ اور بے مثل قوتوں کو کام میں لاکر ایک نئی ایجاد کرتا ہے۔ یہ کوشش بھی اکنومکس میں محنت یا Labour کہلائی جائیگی۔ گویا محنت کی حد میں صنّاع۔ کاریگر۔ مصوّر۔ قانون داں۔ اُستاد اور تمام ایسے لوگ آجاتے ہیں جو اپنی کوششوں سے چیزوں میں ایک نیا اِفادہ یا Utility پیدا کرتے ہیں۔

محنت بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو فائدہ مند جسے اکنومکس میں Productive Labour کہتے ہیں اور ایک بے فائدہ جس سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا اُسے اکنومکس میں Unproductive Labour یا بے فائدہ محنت کہتے ہیں۔ مثلاً ایک کام ایک ہی وقت میں دو آدمی کرتے ہیں۔ ایک کی محنت فائدہ مند ہوتی ہے لیکن دوسرے کی بے فائدہ رہتی ہے۔ فرض کرو کہ ایک قدیم تاریخی عمارت کی سیر کو دو آدمی جاتے ہیں۔ اِن میں سے ایک تو صرف تفریح اور دلچسپی کی وجہ سے جاتا ہے اور دوسرا شخص راہبر کی حیثیت سے اسے راستہ دکھاتا ہے۔ اور آخیر میں اپنی محنت کا صِلہ وصول کرلیتا ہے۔ دونوں آدمیوں نے اگرچہ محنت بالکل ایک سی کی لیکن ایک کو اس سے کوئی خاص فائدہ مالی صورت میں نہیں ہوا اور دوسرے شخص کو اُسی محنت سے رقم وصول ہوگئی۔ اِس لئے پہلے شخص کی محنت بیکار یا Unproductive Labour تھی، اور دوسرے شخص کی فائدہ مند یعنی Productive Labour تھی

آبادی اور محنت کا تعلق:- اکنومکس میں محنت یا Labour سے صرف وہی محنت مراد ہے جو انسان بذاتِ خود کرتا ہے۔ اِس اصطلاح میں حیوانوں کی محنت شامل نہیں ہوتی۔ اگرچہ۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ خچر وغیرہ سب محنت کرتے ہیں۔ لیکن اکنومکس میں محنت سے صرف انسانی محنت مراد ہوتی ہے۔

چونکہ محنت صرف انسان کرتا ہے اِس لئے ہر ایک ملک کی محنت یا Labour کی زیادتی اور اچھائی کا انحصار دو باتوں پر ہوتا ہے۔

(۱) محنت کرنے والوں یا مزدوروں کی تعداد پر۔

(۲) مزدوروں کی کام کرنے کی طاقت پھرتی اور حُسنِ کارکردگی یعنی Efficiency پر۔ جس ملک میں باشندے زیادہ ہونگے وہاں محنت کرنے والے بھی قدرتاً زیادہ ہونگے۔ لیکن باشندوں کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اِن میں چالاکی اور کام کاج اور محنت کرنے کی طاقت کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔

ہمارے ہندوستان میں اگرچہ آبادی تو بہت کافی ہے۔ لیکن ہندوستان کے باشندے چالاکی۔ پھرتی اور کام کرنے کی طاقت سے محروم ہیں۔ اسی لئے ہمارا ملک غریب ہے۔ آبادی کی زیادتی سے باشندوں میں پھرتی اور کام کرنے کی طاقت کا ہونا زیادہ ضروری ہے جس ملک میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہاں پیداوار دولت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور جس ملک میں باشندوں کی آبادی تو زیادہ ہو

لیکن ان میں کام کرنے کی صلاحیت اور پھُرتی نہ ہو اُس کی اقتصادی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں آبادی کا بڑھنا اور اسکے لئے خوراک اور دوسری ضروری چیزوں کا کم ہونا بالکل یقینی ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار وہ دن بہت جلد آجاتا ہے جبکہ ملک میں کھانے پینے کو کچھ نہیں رہتا۔ کیونکہ اُس کی آبادی تو بڑھتی رہتی ہے لیکن اُس کے باشندے محنت نہیں کر سکتے۔ بالکل یہی حال ہمارے ہندوستان کا ہے آبادی کے لحاظ سے ہمارے ملک کے باشندوں میں کام کاج کی صلاحیت اور پھُرتی بہت کم ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ اِن میں اِس صلاحیت یا Efficiency کو بڑھایا جائے۔

ہر ایک ملک میں محنت یا Labour کی اچھائی اور حُسنِ کارکردگی یعنی Efficiency کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہوتا ہے:-

(۱) اِس مُلک کی آب وہوا اچھی ہونی چاہیئے۔ آب وہوا کا اثر باشندوں کی صحت پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ علاقے کہ جہاں کی آب وہوا بہت اچھی ہے ہمیشہ تندرست اور مضبوط آدمیوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اور وہ مقامات کہ جہاں کی آب وہوا خراب ہوتی ہے اُن میں ہمیشہ کمزور اور بیمار آدمی ملتے ہیں۔ مضبوط اور تندرست آدمی کمزور اور بیماروں کی نسبت عمدہ اور جلدی کام کر سکتے ہیں۔ بہت زیادہ سرد اور بہت زیادہ گرم آب وہوا محنت کے لئے مُضر خیال کی جاتی ہے معتدل آب وہوا

میں سب سے زیادہ عمدہ اور اچھا کام ہو سکتا ہے۔

(۲) مزدور کی قومیت کا اثر اس کی محنت پر ضرور پڑتا ہے۔ اس بات کا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک قوم کے افراد میں کچھ خاص باتیں ہوتی ہیں جو مدتوں تک اِن میں قائم رہتی ہیں۔ اسی لئے پنجابی مزدور جنوبی ہند کے باشندوں کی نسبت زیادہ جفاکش ہوتے ہیں۔ یا انگریز جرمنوں کی نسبت زیادہ محنتی ہوتے ہیں۔

(۳) ضروریاتِ زندگی اور محنت کا چولی دامن کا ساتھ ہے جس مزدور کو تمام ضروریاتِ زندگی مِل جاتی ہیں وہ زیادہ اچھا کام کرتا ہے۔ کیونکہ اچھی خوراک اور دوسری ضروریات کے مِلنے سے اِس میں کام کرنے کی طاقت اور حُسنِ کارکردگی Efficiency آجاتی ہے۔ جن مزدوروں کو پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی وہ بھلا کیونکر اچھا کام کر سکتے ہیں۔

(۴) ایک اچھے مزدور کی محنت پر اس کی عقلمندی۔ قوّتِ فیصلہ سلیقہ اور دماغی قوتوں کا اثر بھی پڑتا ہے۔ ہر کام میں دماغ سے کام ضرور لیا جاتا ہے۔ بے وقوف مزدور اپنے دماغ سے کام نہیں لے سکتا اس لئے اچھا کام بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک عقلمند اور ہوشیار مزدور ہر کام میں اپنے آقا کی ہدایات کے علاوہ اپنی عقل سے بھی کام لیتا ہے اِس لئے ہر کام نہایت قرینہ اور عمدگی سے انجام دیتا ہے۔ مزدور میں قوتِ فیصلہ اور دماغی غور و خوض کی قوتوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بعض کام اِس قدر باریک اور نازک ہوتے ہیں کہ مزدور کی قوتِ فیصلہ

اور دماغ کی قوتوں کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ جس ملک کے باشندے عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہاں کی محنت یا Labour بھی قدرتاً زیادہ دولت پیدا کرتی ہے۔

(۵) مزدور ہمیشہ اپنے صلہ اور اُجرت کو دیکھ کر کام کرتے ہیں۔ جن مزدوروں کو اپنی محنت کا صلہ زیادہ ملنے کی اُمید ہوتی ہے وہ زیادہ اچھا کام کرتے ہیں۔ انسان کے لئے اس کی محنت کے صلہ کا لالچ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ جو آقا اپنے مزدوروں کو زیادہ صلہ اور اُجرت دے کر خوش رکھتے ہیں۔ اُن کے مزدور بھی اپنے مالک کا کام نہایت تندہی اور جفاکشی سے کرتے ہیں۔ فارسی زبان میں اسی مطلب کا ایک مصرع مشہور ہے۔ ع :۔ کہ مزدورِ خوشدل کند کار بیش۔

(۶) مزدور کے چال چلن اور اخلاق کا اثر اسکی محنت اور کام کاج کی قوّت پر پڑتا ہے۔ جس مزدور کا چال چلن اور اخلاق اچھا ہوگا وہ کام بھی اچھا کرے گا۔

(۷) تجربہ اور فرض کی ادائیگی کا احساس ایک اچھے مزدور کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ ناتجربہ کار سست اور کاہل مزدور کبھی اچھا کام نہیں کر سکتا۔

مزدوروں میں محنت کرنے کی قوّت اور حُسنِ کارکردگی Efficiency مندرجہ ذیل طریقوں سے بڑھائی جا سکتی ہے۔

(۱) مزدور کو تھوڑی بہت تعلیم ضرور دینی چاہیئے۔ ناخواندہ اور جاہل مزدور

کی نسبت ایک پڑھا لکھا مزدور بہت اچھا کام کرتا ہے کیونکہ تعلیم انسان کو ہوشیار اور سمجھدار بنا دیتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انسان معمولی درجے سے لیکر اعلےٰ درجے تک ترقی کرسکتا ہے۔ کیونکہ تعلیم اس میں اس ترقی کی اہلیت پیدا کردیتی ہے۔ ہر ملک میں عقلمند اور ذہین آدمی اکثر معمولی طبقہ کے لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہی غریب لوگ تعلیم کی بدولت ترقی کرتے کرتے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جاتے ہیں۔

(۲) معمولی تعلیم کے علاوہ صنعتی تعلیم یا Technical Education جو کسی خاص مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر دلوائی جائے مزدوروں کی محنت اور حسنِ کارکردگی یعنی Efficiency پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ صنعتی تعلیم عملی طور پر کارخانوں میں بھیجکر دلوائی جاسکتی ہے۔ صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزدور اس خاص کام میں خوب مہارت حاصل کرلیتا ہے۔ اس لئے اُس کی اُجرت دوسرے مزدوروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اور ایسا مزدور پیداوارِ دولت میں زیادہ امداد پہنچا سکتا ہے۔

ہندوستانی محنت۔ بدقسمتی سے ہمارے ہندوستانی مزدوروں میں ایک اچھے مزدور کی تمام خصوصیات نہیں پائی جاتیں۔ اسی وجہ سے ہمارے مزدور دوسرے ملکوں کی نسبت محنت اچھی طرح نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان میں اس کی صلاحیت اور حسنِ کارکردگی Efficiency نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ملک اِس قدر

غریب اور مفلس ہے اس کی پیداوار دولت میں ترقی نہیں ہو سکتی کیونکہ عمدہ محنت میسّر نہیں آتی۔

اوّل تو ہندوستان کی آب ہوا یا تو بہت زیادہ گرم ہے یا بعض علاقوں میں بہت زیادہ سرد ہے۔ ایسی آب وہوا میں محنت اچھی طرح نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ہمارے مزدور جاہل اور ناخواندہ ہوتے ہیں۔ اُنھیں کسی قسم کی صنعتی تعلیم نہیں ملتی اس لئے ان میں کام اور محنت کرنے کی قوّت بھی پرورش نہیں پاتی۔

ہمارے مزدوروں کی ایک کثیر تعداد کو ضروریاتِ زندگی تک میسّر نہیں آتیں۔ ان میں سے اکثر صرف مٹھی بھر چنوں یا تھوڑی سی خوراک پر گذارہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں طاقت اور توانائی نہیں آتی۔ ہندوستان میں ایک معمولی مزدور کو عام طور پر تین چار آنے روز سے زیادہ نہیں ملتے۔ انہی پیسوں سے اسے اپنا اور اپنے تمام خاندان کا پیٹ پالنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس کی صحت ہمیشہ خراب رہتی ہے۔ کبھی پیٹ بھر کر کھانا مل جائے تو غنیمت سمجھتا ہے۔ رہنے کو مشکل سے ایک تاریک اور صحت کے اصول کے منافی مکان ملتا ہے۔ جس میں ایک چھوٹی سی جگہ میں سارا خاندان رہتا ہے۔ تن ڈھانکنے کو مشکل سے چند پھٹے پرانے کپڑے ملتے ہیں۔ جو ہمیشہ غلیظ اور گندے رہتے ہیں۔ اس کا اِس قدر پست معیارِ زندگی یا Standard of Living اسکی حسنِ کارکردگی Efficiency اور پھرتی میں سدِّ راہ ہوتا ہے اسکے مقابلے

میں انگلستان کے مزدور بہت اچھی حالت میں رہتے ہیں۔ ان کی اُجرتیں اس قدر کافی ہوتی ہیں کہ یہ لوگ اپنا اور اپنے خاندان کے افراد کا خوب اچھی طرح سے گذارہ کر سکتے ہیں۔ ان کی ضروریاتِ زندگی بخوبی پوری ہو جاتی ہیں۔ اِن کو رہنے سہنے اور کھانے پینے کے لئے کافی رقم ملتی ہے۔ اِس لئے اِن کا معیارِ زندگی یا Standard of Living ہندوستانی مزدوروں کی نسبت بہت بلند ہے جس کا اثر اِن کی محنت اور حسنِ کارکردگی Efficiency پر بھی پڑتا ہے۔

ہمارے مزدوروں کی اِس بُری حالت کا اثر ہمارے مُلک کی ترقی پر پڑتا ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں ہر قسم کا مالِ خام موجود ہے لیکن اس سے ہم اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے صحیح صحیح استعمال کی ہمیں کوئی ترکیب نہیں آتی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سارا مالِ خام دوسرے غیر مُلک ہم سے خرید کر لے جاتے ہیں۔ اور اسے ہماری ضروریات کی شکل میں ڈھال کر ہمارے ہی ہاتھ لاکھوں روپیہ میں فروخت کر جاتے ہیں۔ اِسی وجہ سے بعض انگریز مصنفوں نے ہمارے مُلک کے باشندوں کے متعلق لکھا ہے "اگرچہ ہندوستان مالدار مُلک ہے۔ لیکن اس میں باشندے غریب آباد ہیں" یعنی ہم مالدار اور اچھے مُلک میں رہنے کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ کیونکہ ہم میں فائدہ حاصل کرنے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں ہے۔

ہمارے مُلک کی اس غُربت اور مزدوروں کی خراب حالت کو دیکھ کر مُلک میں ایک طبقہ نے اس کا علاج سوچا ہے۔ اِن کا خیال ہے کہ ہمارے مُلک کی حالت روز بروز اسی لئے خراب ہوتی جاتی ہے کہ ہماری دولت دوسرے ملک چھین کرلے جاتے ہیں۔ ہماری ضروریات دوسرے مُلک مہیّا کرتے ہیں۔ جس سے ہمارے باشندے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم اپنی تمام ضروریات کا سامان خود پیدا کریں۔ اِس تحریک کا نام "سودیشی" ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی صنعتوں اور دستکاریوں کو ترقی دیں۔ جس سے ہمارے ملک کی دولت ہمارے مُلک ہی میں رہیگی اور اِن دستکاریوں اور صنعتوں کی وجہ سے ہمارے ملک کے باشندوں کو کام کاج مِل جائے گا۔ اور ان کی بیکاری دُور ہوجائیگی۔ بدیشی کپڑے کے مقابلے میں کھدّر کے استعمال کا رواج اسی لئے زیادہ ہورہا ہے کہ کھدّر ہمارے اپنے ملک میں ہمارے ہندوستانی بھائی بناتے ہیں۔ اور اسکی خریداری سے ہمارے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے۔

مشینوں کا استعمال:۔ موجودہ زمانے میں ہر چیز مشین کے ذریعہ تیار ہوتی ہے۔ کیونکہ مشین کام جلدی اور تیزی سے کرسکتی ہے۔ وہی کام جو ایک شخص کئی روز میں کرتا ہے مشین چند منٹ میں کردیتی ہے۔ پہلے زمانے میں کپڑا کھڈّیوں پر ہاتھ سے بُنا جاتا تھا۔ اب یہی کپڑا مشین پر بُنا جاتا ہے اور

بہت تیزی سے لاکھوں گز کپڑا تیار ہو جاتا ہے۔ انسان کی ضرورت کی سب چیزیں آج کل مشین کے ذریعہ تیار کی جاتی ہیں۔ گھر میں کپڑا مشین سے سیتے ہیں۔ بازار میں آٹا مشین سے پستا ہے۔ جانوروں کے لئے چارہ اور گُٹی مشین کے ذریعہ تیار ہوتی ہے۔ تلوں سے تیل مشین سے نکلتا ہے۔ کپڑوں پر بیل بوٹے مشین سے کاڑھے جاتے ہیں۔ غرض وہ کونسا کام ہے جو مشین نہیں کر سکتی۔ اس لئے موجودہ زمانے میں مشین کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مشین کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں :۔

(۱) مشینوں میں قدرتی طاقتوں کا استعمال ہوتا ہے۔ یعنی یہ پانی۔ بھاپ اور بجلی سے چلائی جاتی ہیں۔ ایسے ایسے مشکل اور زبردست کام جو انسان نہیں کر سکتا۔ مشینیں نہایت آسانی سے کر لیتی ہیں۔ مثلاً تم نے نئی دھلی میں عظیم الشان سرکاری عمارتوں کو دیکھا ہو گا۔ ان کے گنبد اور مینار کس قدر بلند ہیں۔ ان پر بھاری بھاری پتھروں کا چڑھانا کس قدر مشکل کام ہے۔ لیکن مشین کے ذریعہ یہ کام بہت آسانی اور عمدگی سے ہو گیا۔

(۲) بعض کام اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ انسان اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا۔ مشین بھاری کاموں کے علاوہ نازک کاموں میں بھی مدد کرتی ہے۔

(۳) مشین ہاتھ کی نسبت زیادہ تیزی سے کام کرتی ہے۔

(۴) مشین میں کام بالکل درست اور صحیح صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ مشین کی حرکتیں بالکل یکساں اور برابر ہوتی ہیں۔ اِس لئے ایک دفعہ اسے

جس کام پر لگا دیا جائے بالکل ویسا ہی کرتی رہتی ہے۔ انسان بالکل ایک جیسی بہت سی چیزیں اپنے ہاتھ سے نہیں بنا سکتا۔ ان میں آپس میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مشکل کو مشین نے حل کر دیا ہے۔ ایک ہی قسم کی لاتعداد اشیاء مشین کے ذریعہ بآسانی بنائی جا سکتی ہیں۔

(۵) مشین کے پرزے اگر خراب ہو جائیں تو فوراً ان جیسے مل سکتے ہیں۔ اور کام کبھی بند نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ پرزہ بدلوانے کے لئے مشین کو شہر بہ شہر لئے پھرو۔ پرزے کا نام اور نمبر لکھ دینا کافی ہے دوسرے شہر سے فوراً آجائیگا۔ اسے گھر بیٹھے مشین میں لگالو اور پھر استعمال کرنے لگو۔ ایسے پرزے جو بالکل درست اور اصل کے مطابق ہوں صرف مشین سے ہی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان پھر بھی لغزش کر جاتا ہے۔

مشین کا اثر مزدوروں پر:۔ (۱) مشینوں کے استعمال کی وجہ سے ذہین اور ہوشیار مزدوروں کی مانگ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ مشین کے پرزوں کا صحیح صحیح استعمال صرف ذہین اور ہوشیار مزدور ہی کر سکتے ہیں۔

(۲) مشینوں سے پہلے بڑے بڑے مشکل اور وزنی کام مزدوروں کو اپنے ہاتھوں سے کرنے پڑتے تھے۔ لیکن اب مشینوں نے ان کی مشکل آسان کر دی ہے۔

مشینوں کے مندرجہ بالا فائدوں پر غور کرنے کے بعد ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مشینوں نے ہمارے مزدوروں میں کام کاج کی طاقت اور حُسنِ کارکردگی Efficiency کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اب سب کام کم وقت اور کفایت شعاری سے ہو سکتے ہیں۔ مشینوں کے استعمال سے چیزوں کی قیمتیں گھٹ گئی ہیں۔ کیونکہ اب ہر چیز کثرت سے بنائی جاتی ہے اور اُس پر لاگت کم آتی ہے۔ مشینوں کے استعمال نے مزدوروں کی حالت کو نسبتاً اچھا کر دیا ہے۔ اب اُن کی اُجرتیں بڑھ گئی ہیں اور ان کی زندگی آسان ہو گئی ہے۔ کیونکہ اب انہیں زیادہ مشکل کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرنا پڑتا۔

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ مشین کے صرف فائدے ہی فائدے ہیں۔ دُنیا میں ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اِس لئے ضرور ہے کہ مشین سے جہاں اِس قدر فائدے پہنچتے ہیں وہاں تھوڑا بہت نقصان بھی ہوتا ہے:-

(۱) مشین کے استعمال سے پہلے زیادہ تر کام گھروں میں ہوتے تھے اس قِسم کے کام کاج کو گھریلو دستکاریاں یا Cottage Industries کہتے ہیں۔ مشین کے استعمال نے ان دستکاریوں اور صنعتوں کو بالکل تباہ کر دیا۔ کیونکہ مشین کے مقابلے میں اِن کا زندہ رہنا ناممکن تھا مثال کے طور پر جُلاہوں کو لیلو۔ پہلے ان کی کپڑا بُننے کی صنعت بہت اعلےٰ پیمانے پر تھی۔ لیکن اب مشینوں نے ان کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔ اور سینکڑوں گاؤں برباد ہو گئے ہیں۔ کیونکہ مشین کے کپڑے کے مقابلے میں ہاتھ کا بُنا

ہوا کپڑا کم رواج پاتا ہے۔

(۲) مشین کے استعمال سے مشکل کام آسان ہو گئے ہیں۔ اِس لئے اب مشینوں پر عورت اور بچے بھی کام کر سکتے ہیں۔ عورت اور بچوں کی وجہ سے مزدور تعداد میں زیادہ ہو گئے ہیں۔ اِس لئے اُجرتیں نسبتاً گر گئی ہیں۔ زیادہ تر کام چونکہ مشینوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے لاکھوں آدمی بیکار پھرتے ہیں۔ دوسرے عورتوں کو اُجرت کا لالچ گھر چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور یہ اپنے گھر پر رہکر بچوں کی نگہداشت اور پرورش نہیں کر سکتیں۔ بچے چھوٹی سی عمر میں کارخانوں میں کام پر لگ جاتے ہیں۔ اِس لئے ان کی تعلیم اور تربیت نہیں ہو سکتی جبکا اثر آئندہ عمر میں ان کے اخلاق اور عادات پر پڑتا ہے۔

(۳) مشینوں میں کوئلہ اور تیل استعمال ہوتا ہے۔ کارخانوں میں تھوڑی سی جگہ میں بہت سے آدمی کام کرتے ہیں۔ اِس لئے یہاں کی آب و ہوا صحت کے لحاظ سے بہت مُضر ہوتی ہے۔ مزدوروں کو دن بھر تاریک اور غلیظ کمروں میں گذارنا پڑتا ہے۔ جہاں ہوا کا نام کو بھی گذر نہیں ہو سکتا۔ اِسی وجہ سے مزدوروں کی کثیر تعداد بہت سی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے اور آئے دن اِن کی صحت خراب رہتی ہے۔

(۴) مشینوں پر کام کرنے کے لئے مزدور اپنے گھر بار چھوڑ کر دُور دُور سے آتے ہیں۔ شہروں کی فضا، اور آب و ہوا ان کے اخلاق اور عادات پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہے۔ چنانچہ ان کی کثیر تعداد پر شہر کی صحبتوں کا

بہت جلد اثر پڑ جاتا ہے اور مزدوروں کا بیشتر حصّہ شراب۔ چرس۔ جُوے وغیرہ کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں مشینوں کا استعمال:

ہندوستان میں مشینوں کا استعمال دوسرے ملکوں کی نسبت ابھی کم ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو ہمارا ملک غریب ہے۔ اِس کے پاس مشینوں کے استعمال کے لئے اِس قدر دولت نہیں ہے دوسرے ہمارے ملک کے باشندے جاہل ہیں انہیں خبر نہیں ہے کہ مشینوں سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ جن لوگوں میں مشینوں کے استعمال کرنے کی قابلیت اور اہلیّت ہے اُن کے پاس روپیہ نہیں ہوتا اور جو مالدار ہیں اُن میں مشینوں کے استعمال اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی قابلیت نہیں ہے۔ لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے مشینوں کا استعمال کیا ہے وہ لوگ بہت زیادہ روپیہ کما رہے ہیں۔ اور اُن کے کاروبار میں خوب ترقی ہو رہی ہے ہندوستان میں مالِ خام بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ دُنیا کے اکثر ملک ہندوستان سے ہی مالِ خام خرید کر اس سے دوسری چیزیں بناتے ہیں۔ یہ مال اُسی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جب کہ اُس کے استعمال کے لئے کوئی وسیلہ موجود ہو۔ ہندوستان کی گھریلو صنعتیں بدیشی مشینوں کے سستے مال کے مقابلے میں تقریباً تباہ ہو چکی ہیں۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ مشینوں کے استعمال سے ہندوستان

اپنی ضرورت آپ پوری کرے۔ انگریزوں کے راج سے پہلے ہندوستان کی گھریلو صنعتیں اور دستکاریاں تمام دُنیا میں مشہور تھیں۔ ڈھاکہ کی ململ۔ مرشد آباد کا سلک۔ مراد آباد کے برتن۔ دہلی اور جے پور کا ہاتھی دانت کا کام۔ دُور دُور پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن مشینوں کے مقابلہ میں دستی صنعتیں بہت جلد تباہ ہو گئیں۔ اب ضرورت ہے کہ ہندوستان میں بڑے بڑے کارخانے کھولے جائیں لیکن ہندوستان میں کارخانے کھولنے سے پہلے یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ کہیں ہندوستانی بھی دوسرے ملکوں کی طرح ان بُرائیوں کا شکار نہ ہو جائیں جو مشینوں کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں پھیل رہی ہیں۔

چونکہ فی الحال عام طور پر ہندوستانیوں کے پاس اسقدر دولت اور سرمایہ نہیں ہے کہ ہر شہر میں بڑے بڑے کارخانے کھولے جاسکیں اس لئے عام طور پر ملک کے رہبر یہ ہدایت کرتے ہیں کہ پہلے گھریلو صنعتوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہیئے۔ یعنی ہر گھر میں چھوٹے سے پیمانے پر مختلف قسم کے کاروبار شروع کرنے چاہئیں۔ ہندوستان کی آبادی کا زیادہ تر حصّہ کاشتکار ہے یہ لوگ سال بھر میں کم از کم چار یا پانچ مہینے بالکل بیکار رہتے ہیں کیونکہ اس عرصے میں ان کی کھیتوں پر کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ان دِنوں کاشتکار بیکار بیٹھے رہنے کی بجائے اپنے گھروں پر دستکاریاں سیکھیں اور گھریلو صنعتوں یا Cottage Industries کو رواج دیں تو اِن کے اپنے اور مُلک

دونو کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ گھریلو صنعتوں میں ترقی کی وجہ سے جاپان اور سوئیٹزرلینڈ بہت مشہور ہیں۔ اِن ملکوں کے باشندے اپنے اپنے گھروں پر دیا سلائیاں۔ کھلونے۔ گھڑیوں کے پُرزے اور پنکھے وغیرہ بناتے رہتے ہیں۔ اور انہی چھوٹے چھوٹے کاموں میں کافی دولت پیدا کر لیتے ہیں۔ ہندوستان میں مالِ خام افراط سے ملتا ہے۔ اگر ہندوستانی ذرا بھی اپنے دماغ سے کام لیں تو سینکڑوں قسم کی صنعتیں اور دستکاریاں سیکھ سکتے ہیں۔ جو اِن کی بے روزگاری اور غُربت کا صحیح ترین علاج ہیں۔

تقسیمِ عمل اور مشین کا استعمال:۔ پہلے زمانے میں ایک کام کو فقط ایک ہی آدمی کرتا تھا۔ مثلاً چمار کا کام جوتے بنانا تھا۔ اکیلا چمار پہلے چمڑا رنگتا تھا۔ پھر اُسے بہت سی صورتوں میں تبدیل کرکے جوتے کی شکل میں بناتا تھا۔ یا ایک لوہار سوئیاں بناتے وقت پہلے خود ہی تار کھینچتا تھا۔ پھر اس کے ٹکڑے کاٹتا تھا۔ ان کی نوکیں بناتا تھا۔ ناکوں میں سوراخ کرتا تھا۔ پھر کہیں جاکر سوئیاں تیار ہوتی تھیں۔ لیکن موجودہ زمانے میں ایک ہی کام کو مختلف کاریگروں میں بانٹ دیا جاتا ہے کسی جوتوں کی فیکٹری میں جاکر دیکھو۔ پہلے ایک شخص چمڑا رنگتا ہے۔ دوسرا اسے کاٹتا ہے۔ تیسرا اسے سیتا ہے۔ غرض ایک جوتے پر بیسیوں آدمی کام کرتے ہیں تب جاکر تیار ہوتا ہے۔ اِسی طرح سوئیاں بھی بہت سے ہاتھوں سے نکل کر بنتی ہیں ایک کام کی مختلف

کاریگروں میں تقسیم کو اکنومکس میں تقسیمِ عمل یا Division of Labour کہتے ہیں۔

تقسیمِ عمل یا Division of Labour کے بہت سے فائدے ہیں:۔

(۱) ایک کام کو جب بہت سے کاریگر مِل کر کرتے ہیں تو بہت جلد ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک چمار اکیلا کئی دن میں ایک جوتا تیار کرتا تھا۔ لیکن اب تقسیمِ عمل کی وجہ سے بہت سے آدمی مِل کر نسبتاً بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ اِسکی مثال اس طرح ہے کہ اگر تم بہت سے طالب علم کسی سفر میں جاؤ اور باہر جاکر ہر ایک طالب علم علیحدہ علیحدہ کھانا پکانے کی بجائے اپنے لئے کوئی خاص کام مقرر کرے تو کام جلدی ہوگا۔ مثلاً ایک لڑکا ایندھن جمع کرے دوسرا آگ جلائے۔ تیسرا آٹا گوندھے چوتھا سبزی خرید کر لائے پانچواں روٹیاں پکائے۔ چھٹا سالن پکائے۔ اور ساتواں برتن صاف کرے۔ کام اِس طرح بٹ جائیگا اور ہر ایک طالب علم اپنا اپنا فرض آسانی سے ادا کر سکے گا۔ یہی حال تقسیمِ عمل کا ہے۔ اِس کی وجہ سے کام مختلف لوگوں میں تقسیم ہو کر آسان ہو جاتا ہے۔ اِس لئے جلد ہوتا ہے۔

(۲) ہر ایک شخص وہی کام کرتا ہے جس پر اسے پوری مہارت حاصل ہوتی ہے دوسرے ایک ہی کام کرتے کرتے یہ اُس کا ماہر ہو جاتا ہے اس لئے سب سے عمدہ اور اچھا کرتا ہے۔

(۳) وقت کی کفایت ہو جاتی ہے۔ ایک آدمی کو تھوڑا سا کام بار بار کرنا پڑتا ہے اور دوسرا کام کرنے کے لئے اپنی جگہ سے ہلنا نہیں پڑتا۔ دوسرے

اوزار بھی کم استعمال ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر پورا کام ایک ہی آدمی کرے تو سارے اوزار خریدنے پڑتے ہیں۔

(۴) تقسیمِ عمل کی وجہ سے مشین کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تقسیمِ عمل سے کام مختلف حصّوں میں بٹ جاتا ہے اور ہر حصّہ کا کام مشین خوب کر سکتی ہے۔ اِس لئے وقت اور دولت کی مشین کے ذریعہ اور بھی کفایت ہو جاتی ہے۔

تقسیمِ عمل کے نقصانات:-

(۱) ایک کاریگر صرف ایک کام میں مہارت حاصل کر سکتا ہے۔ اور دوسرے کاموں سے ناواقف رہتا ہے۔ اگر اس کی نوکری چھوٹ جائے یا یہ کام ختم ہو جائے تو کوئی اور کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے بے روزگاری بڑھ جاتی ہے۔

(۲) ایک کام بار بار کرتے کرتے آدمی اُکتا جاتا ہے۔ اور اُس کی طبیعت کام پر نہیں لگتی۔

(۳) بعض کام اِس قدر سادہ اور آسان ہوتے ہیں کہ انسان کو اُن میں اپنی عقل لڑانے کی بالکل ضرورت نہیں رہتی۔ تمام عمر وہی کام کرتے کرتے اُس کی دماغی قوّتیں بالکل بیکار ہو جاتی ہیں۔

تقسیمِ عمل کو کاروبار میں استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اِس مال کی نکاس اور مانگ بہت کافی ہو۔ اگر لوگ اس کو زیادہ نہیں خریدتے تو اِس کام کو اعلےٰ پیمانہ پر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا مثلاً

ایک گاؤں میں مہینے بھر میں صرف دس من گیہوں پستے ہیں۔ اگر گیہوں پیسنے کی مشین یہاں لگا دی جائے تو یہ دس من گیہوں زیادہ سے زیادہ دو دن میں پیس ڈالیگی۔ اور باقی مہینہ بھر بیکار کھڑی رہے گی۔ اس لئے تقسیم عمل کام میں لانے سے پہلے اس کام کی مانگ کا اندازہ کر لینا ضروری ہے۔ اگر ایک گاؤں میں صرف دو جوتے سال بھر میں بکتے ہیں تو بہت سے کاریگروں میں اس کام کو تقسیم کرنا فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُلٹا نقصان کا باعث ہوگا۔

مقامی صنعتیں:۔

بعض اوقات بعض مقامات خاص خاص صنعتوں کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں یہ صنعتیں خاص طور پر ترقی کرتی ہیں۔ اسے اکنومکس میں مقامی صنعتیں یا Localization of Industries کہتے ہیں۔ مثلاً ڈھاکہ کی ململ۔ مراد آباد کے برتن۔ دہلی اور جے پور کا ہاتھی دانت کا کام۔ دہلی کا گوٹہ زری وغیرہ مشہور ہیں۔ اس مقامی خصوصیت کی وجوہ مندرجہ ذیل ہوتی ہیں۔

(۱) بعض مقامات پر قدرتی طور سے خاص چیزوں کے لئے سامان مہیا ہو جاتا ہے۔ مثلاً سن کی صنعت زیادہ تر بنگال میں ہے۔ کیونکہ سن بنگال ہی میں پیدا ہوتا ہے۔

(۲) بعض مقامات پر مزدور آسانی سے مل جاتے ہیں اس لئے کوئی صنعت

وہاں خاص طور پر ترقی کر جاتی ہے۔ اور یہ مزدور اس میں کمال حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً دہلی میں ہاتھی دانت کا کام اسی وجہ سے ترقی پا گیا کہ یہاں کاریگر خوب ملتے ہیں۔

(۳) بعض جگہ بادشاہوں اور رئیسوں کی سرپرستی صنعتوں کی ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ دہلی میں ہاتھی دانت اور گوٹہ زری اسی وجہ سے مشہور ہوا کہ مُغل بادشاہ اِن صنعتوں کی سرپرستی نہایت فراخدلی سے کرتے تھے۔

(۴) بعض مقامات سے مال دساور میں آسانی سے بھیجا جا سکتا ہے اس لئے وہ مقامات اس خاص چیز کے لئے مشہور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دہلی سے تمام سامان مُلک کے ہر گوشہ میں جا سکتا ہے۔ اس لئے دہلی کی منڈی تقریباً سب چیزوں کے لئے مشہور ہے۔

سوالات

۱۔ اکنومکس میں "محنت" سے کیا مراد ہے۔ کسی مُلک کے مزدوروں کی حسنِ کارکردگی کا انحصار کن کن باتوں پر ہوتا ہے۔

۲۔ ہندوستانی مزدوروں کی خرابیاں اور ان کے علاج بتاؤ۔

۳۔ مشین کے استعمال کے فائدے اور نقصانات بتاؤ۔ کن صنعتوں میں مشین کا استعمال فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ کیا ہندوستان میں مشین کا استعمال فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔

۴۔ تقسیم عمل سے کیا مراد ہے۔ اُس کے فائدے اور نقصانات بیان کرو۔
فی زمانہ پیدا وار دولت میں اس کی کیا اہمیت ہے۔

۵۔ صنعتوں کے مقامی ہونے سے کیا مراد ہے۔ ہندوستان میں سن۔ سلک۔
اور ہاتھی دانت کی صنعتیں کن مقامات کی مشہور ہیں۔ اُن کے مشہور
ہونے کی وجہ بیان کرو۔

ساتواں باب

عاملینِ پیدائش (سرمایہ اور تنظیم)

سرمایہ یا CAPITAL

اکنومکس کی اصطلاح میں سرمایہ یا Capital اُس دولت کو کہتے ہیں کہ جس سے ہم اور دولت پیدا کرنے کا کام لیتے ہیں۔ مثلاً ایک بڑھئی اپنے اوزاروں سے میز کرسی بناکر دولت پیدا کرتا ہے۔ اسلئے بڑھئی کے اوزار اسکا سرمایہ یا Capital ہیں۔ ایک کسان اپنے بیلوں سے زمین جوتتا ہے اور اس ذریعہ سے اور دولت پیدا کرتا ہے اس لئے کسان کے بیل اس کا سرمایہ یا Capital کہلاتے ہیں۔

پیداوارِ دولت کی ہر ایک مثال میں تمہیں سرمایہ کا ہاتھ ضرور نظر آئیگا۔ کیونکہ دُنیا کا کوئی کام سرمایہ کے بغیر نہیں چل سکتا۔

سرمایہ اور دولت میں بہت باریک سا فرق ہے۔ دولت تو ہر اُس چیز کو کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمیں فائدہ پہنچاتی ہے۔ اور چونکہ سرمایہ سے بھی ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اس لئے سرمایہ بھی دولت میں شامل ہے لیکن

تمام دولت سرمایہ نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ سرمایہ صرف دولت کا وہ مخصوص حصّہ ہے کہ جو اور دولت پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ مثلاً بڑھئی کے پاس اُسکے اوزاروں کے علاوہ کچھ روپے بھی ہیں۔ جنہیں اُس نے نہایت احتیاط سے زمین کے نیچے دفن کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ روپے دولت ضرور ہیں۔ کیونکہ ان سے بڑھئی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ روپے زمین میں بیکار پڑے ہیں اور زیادہ دولت پیدا کرنے میں مدد نہیں کرتے۔ اس لئے اِن روپوں کو سرمایہ نہیں کہہ سکتے۔ اکنومکس کے طالب علموں کو ہر دولت پر سرمایہ کا لفظ استعمال کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ مبادا غلطی سے کہیں اسے بے محل استعمال کر دیں۔ ہر دولت کو سرمایہ کہتے وقت اس کے مالک کی نیّت اور ارادہ کو دیکھ لینا چاہیئے۔ اگر اس کے مالک کا ارادہ اس دولت سے اور دولت پیدا کرنے کا ہے تو یہ دولت سرمایہ کہلائیگی ورنہ یہ صرف دولت ہے۔

مثال کے طور پر ایک ایسے شخص کو لیلو کہ جو عمدہ خوراک کا استعمال کرتا ہے۔ اگر اُس شخص کا ارادہ اس عمدہ خوراک سے یہ ہے کہ خوب طاقت آجائے اور پھر دولت پیدا کر سکے تو یہ عمدہ خوراک اسکا سرمایہ ہے۔ اور اگر اس عمدہ خوراک سے مطلب صرف لذّت اور لُطف حاصل کرنا ہے تو یہ ایسا صَرفِ دولت ہے کہ جس سے کوئی فائدہ مرتّب نہیں ہوتا۔ غرض سرمایہ اور دولت میں سب سے بڑا فرق اُس کے

مالک کی نیّت اور ارادہ کا ہے۔ جس نیّت سے مالک اس دولت کو استعمال کرتا ہے ویسا ہی اُس کا نام رکھدیا جاتا ہے۔

شہروں کی عظیم الشان عمارتیں۔ بڑے بڑے کارخانے۔ دکانیں۔ اور سوداگروں کا مالِ تجارت سب سرمایہ ہیں۔ کیونکہ اِس سے اور دولت پیدا کی جاتی ہے۔

بعض لوگ اپنی دولت کو بیکار رکھتے ہیں۔ اور سرمایہ کے طور پر استعمال کرکے اِس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ ایسی بیکار دولت کو اکنومکس کی اصطلاح میں اندوختہ یا Saving کہتے ہیں۔ یہ اندوختہ دولت بیکار پڑی رہتی ہے۔ اور کسی کے کام نہیں آتی۔ اس کا سب سے بہتر مصرف تو یہ ہے کہ اسے کسی فائدہ مند کاروبار میں لگا دیا جائے تاکہ یہ بیکار دولت سرمایہ بن کر اور دولت پیدا کرے۔

سرمایہ کی قسمیں:- سرمایہ کی تعریف سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ ایسی دولت کا نام ہے کہ جو اور دولت پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ سرمایہ دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) ایسا سرمایہ جو پیداوارِ دولت میں بار بار مدد دے سکے۔ اور ہر مرتبہ بالکل نئے سرمایہ کی طرح استعمال کیا جاسکے۔ مثلاً بڑھئی اپنے اوزاروں کو ہر دفعہ استعمال کرتا ہے۔ یا عمارتیں ہمیشہ کام آتی ہیں۔ ایسے سرمایہ کو اکنومکس میں "اصل قائم" یا Fixed Capital کہتے ہیں۔

(۲) ایسا سرمایہ جو پیداوارِ دولت میں صرف ایک مرتبہ کام آنیکے بعد بالکل بیکار ہو جائے اور پھر کام نہ آسکے۔ مثلاً جوتوں کا چمڑا صرف ایک دفعہ جوتے بنانے کے کام آسکتا ہے۔ یا کپڑے کے کارخانوں میں روئی سے صرف ایک دفعہ کپڑا بنایا جاسکتا ہے ایسے سرمایہ کو اکنومکس میں Circulating Capital یا اصل دائر کہتے ہیں۔

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ سرمایہ پیدا کس طرح ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں ذیل کی وجوہ بیان کی جاتی ہیں:۔

(۱) انسان ہمیشہ سے عاقبت اندیشی پر عمل کرتا رہا ہے۔ آج پیٹ بھر کر اسے کل کی فکر لگ جاتی ہے۔ اِس عاقبت اندیشی کا نتیجہ سرمایہ داری ہوتی ہے۔ اسے خیال رہتا ہے کہ بہت ممکن ہے کل میں کمانے کے قابل نہ رہوں۔ اِس لئے یہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ آئندہ کے لئے بچا لیتا ہو۔ یہ بچت اُس کا سرمایہ بن جاتی ہے۔

(۲) ہر شخص کو اپنی اولاد سے قدرتاً محبت ہوتی ہے ان کی بھلائی اور بہتری کے لئے یہ دولت جمع کرتا ہے۔ تاکہ آئندہ اِن کے کام آسکے۔ اور ضرورت کے وقت انہیں دوسروں کا محتاج ہونا نہ پڑے۔

(۳) ہر شخص اپنی موجودہ حالت سے بہتر حالت میں رہنا اور ترقی کرنا پسند کرتا ہے۔ اس ترقی کے لئے سرمایہ اور دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ دولت جمع کرتا ہے۔

(۴) بعض لوگ کسی خاص مطلب کے لئے دولت جمع نہیں کرتے۔ بلکہ

اُنہیں ایک عادت سی ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں ہزاروں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ لیکن دولت ضرور جمع کرتے ہیں۔

(۵) جب انسان کی آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ ہوتی ہے تو ضروریات پوری کرنے کے بعد زیادہ روپیہ بچا لیتا ہے۔ تاکہ آئندہ ضرورت کے وقت کام آئے۔

(۶) ملک میں حفظ و امان کی وجہ سے لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے مستقبل کے استعمال کے لئے دولت جمع کرتے ہیں جس ملک میں روزانہ لوٹ مار اور جنگ و جدال ہوتی رہتی ہے۔ وہاں کے باشندے اپنے جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتے اس لئے دولت جمع نہیں کرتے۔

(۷) جس ملک میں کاروبار اور بیوپار پر روپیہ لگانے کا اچھا موقعہ ہوتا ہے وہاں کے باشندے زیادہ دولت جمع کرتے ہیں۔ کیونکہ اُنہیں منافع اور فائدہ کی خوب اُمید ہوتی ہے۔ یورپ میں بنکوں اور تجارت کی ترقی نے اس کی دولت میں بہت اضافہ کیا ہے۔ کیونکہ بنکوں اور تجارت میں لوگ روپیہ خوب لگاتے ہیں۔ اور اس بیوپار سے دولت میں بہت جلد اضافہ ہو جاتا ہے۔

ہندوستانی سرمایہ:۔ ہر ایک ملک کی ترقی کا انحصار اُس کے سرمایہ پر ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں سرمایہ کی بھی کمی ہے۔ ہندوستان کے باشندوں کی غربت کسی زیادہ بیان کی محتاج نہیں۔ یہاں کا افلاس ضرب المثل ہے۔ لیکن سرمایہ کی

کمی کے علاوہ ہندوستانیوں کی قدامت پسندی اور جہالت بھی اس ملک کی غربت کی بہت کافی حد تک ذمہ دار ہے۔ ہندوستان میں جس قدر بھی دولت موجود ہے اس ملک کے باشندے اس کا صحیح استعمال نہیں جانتے۔ ان کی دولت یا تو زیورات کی شکل میں ان کی عورتوں کے گلے کا ہار بن گئی ہے یا دفینوں کی صورت میں زمین کے نیچے بیکار پڑی ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً ۴۸ روپے فی کس اس وقت ہندوستان میں بالکل بیکار موجود ہیں۔ ان روپوں سے اگر سرمایہ کی صورت میں فائدہ اُٹھایا جائے تو ہماری غربت اور افلاس کی مصیبت ایک حد تک دُور ہوسکتی ہے۔ لیکن ہمارے بھائیوں کی جہالت اور کم علمی اس ترقی کی سدّ راہ ہے۔ ہمارے ملک والوں کو ابھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ دولت کا صحیح ترین مصرف اسے کاروبار میں لگانا ہے۔ ہمیں خبر ہی نہیں کہ دوسرے ملک ہم سے کس قدر آگے بڑھ چکے ہیں۔ کیونکہ یہ اپنا ایک پیسہ تک بیکار رکھنا گناہ سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس جو رقم بھی ضروریات پوری ہونے کے بعد بچتی ہے اُسے سرمایہ کی صورت میں اپنے کاروبار میں لگا دیتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے بھائیوں کے پاس جب کبھی ایک آدھ پیسہ بچ جاتا ہے یا تو اس کا زیور بنوا کر اپنی عورتوں اور بچوں کو اُس میں جکڑ دیتے ہیں یا فوراً اسے غیر ضروری اخراجات میں صرف کر دیتے ہیں۔ ہم لوگوں میں عاقبت اندیشی کی بہت زیادہ کمی ہے۔ اور اس کے بغیر کسی مُلک میں دولت نہیں بڑھ سکتی۔

اگر ہم خود کوئی کاروبار نہیں کر سکتے تو دوسرے لوگوں کو کاروبار میں لگانے کے لئے روپیہ قرض دیدینا چاہیئے۔ ہمارا ملک زراعتی ملک ہے۔ زراعت کی ترقی کے لئے سرمایہ کی بے حد ضرورت ہے۔ لیکن ہماری غربت اور جہالت کی وجہ سے ہماری زمینیں بیکار پڑی رہتی ہیں۔ اگرچہ ان میں زرخیزی کی طاقت موجود ہے۔ لیکن ان پوشیدہ قوتوں سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔ انہی زمینوں سے دوسرے ملکوں کے کاشتکار سینکڑوں من غلہ اور اناج اُٹھاتے ہیں لیکن ہمارے جاہل اور مفلس کسان چند من غلہ پر قناعت کر جاتے ہیں۔ کیونکہ اُنہیں اپنی پیداوار بڑھانے کے طریقے معلوم نہیں ہیں۔

ہمارے مُلک کے کاشتکاروں کا بال بال قرضہ میں بندھا ہوا ہے۔ یہ قرضہ زمین کی پیداوار بڑھانے کے لئے نہیں لیا جاتا۔ بلکہ پُرانے خیالات کے جاہل لوگ بیہودہ اور بے معنی رسموں پر خرچ کرنے کے لئے اپنی حیثیت سے زیادہ قرضہ لے لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام عمر قرضہ کی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں اور تمام کمائی مہاجن اور ساہوکار کی نذر ہو جاتی ہے۔

تم اوپر پڑھ چُکے ہو کہ کسی ملک میں دولت کی زیادتی بنکوں کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ بنک روپیہ کے لین دین میں بہت مدد دیتے ہیں۔ انسان بیکار دولت اس میں جمع کرا دیتا ہے جس پر اسے سود ملتا ہے۔ ہندوستان میں ایسے بنکوں کی بہت کمی ہے۔ اس لئے

بھی ہندوستان میں سرمایہ بہت کم ہے۔ بنکوں کا بیان مفصل طور پر تو آیندہ کیا جائیگا۔ یہاں صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہے۔ کہ ہندوستان میں بنکوں کی کمی سرمایہ کی کمی کی ذمہ دار ہے۔

اگر ان تمام باتوں کا علاج ہوجائے۔ اور ہمارے بھائیوں کی جہالت کسی ترکیب سے دُور ہوسکے تو اور ملکوں کی طرح ہمارا ملک بھی دولت کی کان بن جائیگا۔

تنظیم یا ORGANIZATION تم نے دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے کارخانوں میں سب کام کس قدر عمدگی اور باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ وقت پر کام شروع ہوتا ہے۔ ہر مزدور اپنا اپنا فرض انجام دیتا ہے۔ ضرورت کی ہر چیز فوراً مہیّا ہوجاتی ہے۔ اور کسی قسم کی بے قاعدگی کا خطرہ نہیں ہوتا۔ یہ سب کام خود بخود نہیں ہوتے۔ اِن سب پر ایک افسر مقرر ہوتا ہے۔ جو سب پر حکم چلاتا ہے اور سب کام اُس کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اِس شخص کو اکنومکس کی اصطلاح میں منتظم یعنی انتظام کرنے والا یا Organizor کہتے ہیں۔ اور منتظم کے اس مشکل اور ضروری کام کو تنظیم یا Organization کہتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں ایک منتظم کے فرائض بے شمار ہوتے ہیں۔ اور اس کی موجودگی کے بغیر کوئی کام چل نہیں سکتا۔ اگر منتظم نہ ہوتا تو مزدور اپنی مرضی سے جو چاہتے کرتے۔ جب چاہتے آتے اور جب اُن کا جی چاہتا کام

چھوڑ کر چلے جاتے۔ غرض تمام کارخانہ کا نظام اور ضابطہ بگڑ جاتا۔ اس لئے عاملینِ پیدائش میں تنظیم ایک ضروری جُز ہے جس کی پیداوارِ دولت میں ہر جگہ اور ہر وقت ضرورت پیش آتی ہے۔

منتظم کی موجودگی صرف بڑے کارخانوں ہی میں ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر پیداوارِ دولت کے فعل میں ایک منتظم ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً بڑھئی والی مثال میں بڑھئی خود ہی محنت کرتا ہے اور خود ہی دوسرے عاملینِ پیدائش کو ایک جگہ جمع کرتا ہے۔ عاملینِ پیدائش کو جمع کرنیکا کام تنظیم کہلاتا ہے۔ اِس لئے اِس مثال میں بڑھئی بھی ایک منتظم یا (Organizor) کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا کام تنظیم یا (Organization) ہے۔

منتظم کے فرائض:- وہ شخص جو کسی کاروبار کے نقصان اور فائدے کا ذمہ وار ہوتا ہے منتظم کہلاتا ہے۔ اس کے ذِمّہ مندرجہ ذیل فرائض ہوتے ہیں :-

(۱) تم نے کھیل میں دیکھا ہوگا کہ ہر ٹیم کا ایک افسر مقرر کیا جاتا ہے جسے انگریزی میں کپتان یا (Captain) کہتے ہیں۔ اُسکا فرض ہے کہ اپنی طرف کے تمام کھلاڑیوں پر نظر رکھے۔ ان کے فرائض مقرر کرے اور اُن کو اپنا حکم ماننے پر مجبور کرے۔ جب کوئی ٹیم جیت جاتی ہے تو اُس کی فتح اور کامیابی کا سہرا اُس کپتان کے سر رہتا ہے اور سب سے زیادہ اُس کی قوت انتظامیہ کی تعریف کی جاتی ہے اور جب

ٹیم ہار جاتی ہے تو اُس کا الزام بھی کپتان کو دیا جاتا ہے۔ گویا کپتان کا عہدہ نہایت ذمہ داری کا ہوتا ہے۔

اِسی طرح جہاز کا کپتان بھی تمام مسافروں کی جان و مال کا نگہبان ہوتا ہے۔ اکنومکس میں کارخانوں اور کاروبار کے منتظموں کو بھی Captains of Industries کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اِن کے فرائض بھی ٹیم کے کپتانوں اور جہاز کے کپتانوں کی طرح بالکل ایسی ہی ذمہ داری کے ہوتے ہیں۔

ایک منتظم کی حیثیت سے یہ مزدوروں کی فوجوں کا نظام قایم رکھتے ہیں اور ان سے پورا پورا کام لیتے ہیں۔

(۲) منتظم جو مال منڈی میں زیادہ بکتا ہوا دیکھتے ہیں اُسے بنانے کا حکم دیتے ہیں۔ محنت اور سرمایہ کا جمع کرنا بھی اِن کا فرض ہوتا ہے۔ مزدور تو صرف اِن کا حکم بجالاتے ہیں۔ اور نقصان یا فائدہ کے ذمہ وار نہیں ہوتے۔ ہر حالت میں اپنی اُجرت سے غرض رکھتے ہیں۔

(۳) ایک ٹیم کے کپتان کی طرح مزدوروں کو اپنے فرائض بجالانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ان کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

پیداوار بر پیمانہ کبیر

مشینوں کے رواج سے پہلے صنعت و حرفت بہت معمولی پیمانے پر ہوتی تھی۔ جلاہے اپنے گھروں پر کھڈیاں لگا کر تھوڑا تھوڑا کپڑا بُنتے تھے۔

اور اُسے بیچ کر اُس کی قیمت پر گذارہ کرتے تھے۔ اِن کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا تھا اِس لئے یہ اپنے کاروبار کو ترقی نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن اب مشینوں کی وجہ سے ہر ایک کاروبار بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ بڑے پیمانے پر کاروبار کا مطلب زیادہ سرمایہ اور زیادہ محنت سے ہے جس کی وجہ سے پیداوار بھی بہت بڑے پیمانے پر ہوتی ہے تقسیم عمل اور مشینوں کے استعمال کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر کاروبار کرنے سے نسبتاً فائدہ رہتا ہے۔ کیونکہ چیزیں کم لاگت سے زیادہ جلدی اور زیادہ تعداد میں تیار ہو سکتی ہیں۔

بڑے پیمانے پر کام کرنے کے بہت سے فائدے ہیں:-

(۱) بڑے پیمانے پر کام کرنے سے اعلیٰ اور عمدہ مشینوں کا استعمال ہو سکتا ہے۔ کام کرنے کے لئے بڑی تنخواہوں پر بہترین کاریگر ملازم رکھے جا سکتے ہیں۔ تقسیم عمل سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ منتظم صرف کاروبار کی دیکھ بھال کرتا ہے اور دوسرے کام کرنے والے اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) بڑے پیمانے پر کام کرنے سے ہر معمولی سے معمولی کام کو بھی مشینوں کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے مثلاً روئی کے کارخانوں میں روئی کے گٹھڑ تک مشینوں سے باندھے جاتے ہیں۔ اُنہیں مشینیں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہلاتی ہیں۔

(۳) بڑے پیمانے پر کام کرنے سے نئی نئی ایجادیں ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ ایک شخص ایک ہی کام بار بار کرتے کرتے اس میں ماہر ہو جاتا ہے۔ اور ہر وقت

اسی کام کے متعلق سوچتا رہتا ہے۔ آخر کار یہ اس کام میں کوئی نئی بات پیدا کر لیتا ہے۔ جو تمام ملک کے لئے کار آمد ہوتی ہے۔

(۴) بڑے کارخانوں میں ایک بڑے کام کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے کام بھی ساتھ ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً کپڑا بننے کے کارخانوں میں کپڑے کے علاوہ دھاگا بھی بنتا ہے۔ اس لئے کوئی چیز بیکار نہیں جاتی۔

(۵) مزدوروں میں کفایت رہتی ہے۔ تھوڑے سے مزدور زیادہ کام کرتے ہیں۔

(۶) بہت بڑے پیمانے پر مالِ خام سستا اور کفایت سے خریدا جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سا مال ایکدم خریدا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سارا مال ایک دفعہ بیچا جاتا ہے۔ جس سے خریداروں اور بیچنے والوں دونو کو فائدہ ہوتا ہے۔

(۷) بڑے کارخانوں میں بہت سا کام نسبتاً تھوڑی سی جگہ میں ہو جاتا ہے۔ اور تمام کام ایک ہی عمارت میں ہوتا ہے۔ اسلئے کرایہ کی بچت رہتی ہے۔

(۸) بڑے کارخانے چونکہ زیادہ مال بناتے ہیں اسلئے اسپر لاگت کم آتی ہے۔ اس طرح یہ اپنا مال چھوٹے کارخانوں کی نسبت سستا بیچ کر انسے خوب مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے۔ ہم نے مانا کہ کارخانے بہت بڑے پیمانے پر کھولے جا سکتے ہیں۔ لیکن ایک وقت ایسا ضرور آئیگا جبکہ کارخانہ کو اور زیادہ بڑھانا تجارت کے اصول کے خلاف سمجھا جائیگا۔ کیونکہ اس میں فائدہ کی بجائے نقصان ہونا شروع ہو جائیگا۔ اس حد پر پہنچکر ایسے بڑے کارخانوں پر قانونِ تقلیل حاصل یعنی Law of Diminishing Returns عمل کرنے لگتا ہے۔ بڑے پیمانے پر کام کرنے کے نقصانات مندرجہ ذیل ہوتے ہیں۔

(۱) اگر کسی چیز کی مانگ یکلخت ختم ہو جائے تو اس چیز کے بنانے والے کارخانے بالکل برباد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی پیداوار کی کوئی قدر نہیں کرتا اور اُنپر لگا ہوا سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲) بڑے کارخانوں میں اسقدر زیادہ کام کرنے والے ہوتے ہیں کہ ایک شخص تنہا ان کی دیکھ بھال نہیں کرسکتا۔ مزدور موقعہ پاکر وقت ضائع کرتے ہیں اور کام اچھا نہیں کرتے۔

(۳) بڑے کارخانوں میں ہر شخص تقسیم عمل کے ماتحت اپنا اپنا کام کرنے کے بعد بالکل بے فکر ہو جاتا ہے۔ اگر کام بگڑ جائے تو اس کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر عائد نہیں ہو سکتی۔ اسلیئے اکثر کام کرنے والے بے پرواہی سے کام کرتے ہیں۔

(۴) بعض کام بڑے پیمانے پر کرنے سے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کو چھوٹے پیمانے پر کرنے سے منافع کی اُمید ہو سکتی ہے۔ مثلاً پھولوں اور پھلوں کی تجارت میں بڑے پیمانے پر کام کرنے سے نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے کیونکہ مال جلد خراب ہو جاتا ہے۔ اور اسکی مانگ محدود ہوتی ہے۔

سوالات

۱۔ "سرمایہ" سے اکنومکس میں کیا مراد ہے۔ دولت اور سرمایہ میں کیا فرق ہے۔ سرمایہ کی قسمیں بیان کرو۔ پیداوار دولت میں سرمایہ کی کیا اہمیت ہے۔

۲۔ سرمایہ کیوں جمع کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سرمایہ کی کمی کے اسباب بتاؤ۔

۳۔ تنظیم سے کیا مطلب لیا جاتا ہے۔ فی زمانہ پیداوار دولت میں منتظم کیا فرائض انجام دیتا ہے۔

۴۔ پیداوار بر پیمانہ کبیر سے کیا مراد ہے اُسکے فائدے اور نقصانات بتاؤ۔

تیسرا حصہ

تبادلہ

یعنی

EXCHANGE

آٹھواں باب

منڈی یا MARKET

جب کبھی تمہیں پھلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو اپنے شہر کی سبزی منڈی سے جاکر خریدتے ہو۔ کپڑا کپڑے کی منڈی یا کلاتھ مارکیٹ سے خریدتے ہو ہماری روزمرہ بول چال میں منڈی کا لفظ ایسے بازار یا مقام کے لئے استعمال ہوتا ہے جہاں سے ہم ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں۔

اکنومکس کی اصطلاح میں منڈی یا Market کسی خاص مقام کا نام نہیں ہوتا۔ بلکہ منڈی یا Market سے مراد کسی چیز کے بہت سے بیچنے والے اور بہت سے خریدنے والے ہوتے ہیں جب ایک ہی چیز بہت سے آدمی فروخت کرنے پر رضامند ہوتے ہیں اور اسی چیز کو بہت سے آدمی خریدنے کے لئے تیار ہوتے ہیں تو خریداروں اور بیچنے والوں کا آپس میں مقابلہ ہوجاتا ہے یعنی ہر شخص چاہتا ہے کہ میرا مال جلدی بک جائے۔ اور خریداروں میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی ضروریات جلد پوری ہوجائیں خریداروں اور فروخت

کرنے والوں کے اس مقابلہ کو اکنومکس کی اصطلاح میں منڈی یا Economic Market کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک اقتصادی منڈی یا کے لئے مندرجہ ذیل شرطوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

(۱) خریداروں اور بیچنے والوں کی موجودگی۔

(۲) خریداروں اور بیچنے والوں کا آپس میں مقابلہ۔

یہ دونوں شرطیں جس جگہ بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ وہی مقام مارکیٹ بن جاتا ہے۔ ایک عمدہ اور مکمل مارکیٹ کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کسی خاص چیز کی ایک وقت میں ایک ہی قیمت عام ہو۔ اگر اسی چیز کی مختلف قیمتیں ہونگی تو لوگ سستا بیچنے والوں سے خریدیں گے اور مہنگے دکاندار کچھ بھی فروخت نہ کر سکیں گے۔ اس لئے تمام دکانداروں یا چیزیں فروخت کرنے والوں کی قیمتیں بالکل برابر ہونی چاہئیں البتہ بعض اوقات کچھ خریدار اپنے دکانداروں سے بہت دور ہوتے ہیں۔ اس لئے مال کے نقل و حرکت کے اخراجات قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن اس خرچ کو نکال کر ہمیشہ سب فروخت کرنے والوں کی قیمتیں برابر ہونی چاہئیں۔ جو مارکیٹ جس قدر عمدہ ہوگی اس میں اسی قدر خریداروں اور فروخت کرنیوالوں کا آپس میں خوب مقابلہ ہوتا رہے گا۔

منڈی کی قسمیں:- منڈی کی تقسیم دو لحاظ سے کی جاسکتی ہے۔

(ل) مقام کے لحاظ سے منڈی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) بین الاقوامی مارکیٹ یا International Market

عام طور پر فروخت کرنے والوں اور خریداروں کے مقابلہ کی حدود یا Limit منڈی کے مقام یا Area کے متعلق فیصلہ کرتی ہیں۔ اگر کسی چیز کے خریدار اور اسکو فروخت کرنے والے تمام دنیا میں موجود ہیں اور یہ لوگ آپس میں خوب مقابلہ کر سکتے ہیں تو اس چیز کی بین الاقوامی مارکیٹ ہوگی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اکنومکس میں گاہکوں اور فروخت کرنے والوں کی جسمانی طور پر حاضری یا موجودگی ضروری نہیں ہے۔ ان میں سے ایک گاہک کلکتہ میں رہتا ہے۔ دوسرا دہلی میں اور تیسرا لنڈن میں۔ اسی طرح اس مال کے فروخت کرنیوالے چین جاپان۔ اور ایران میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ان سب کا آپس میں مقابلہ یا Competition آسانی ہوتا ہو۔ مثلاً روئی کے خریدار اس وقت جاپان۔ انگلستان اور امریکہ میں موجود ہیں۔ اور روئی فروخت کرنے والے اس وقت ہندوستان اور اسٹریلیا میں رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان سب کا آپس میں خوب مقابلہ ہو سکتا ہے اس لئے روئی کی بین الاقوامی منڈی ہے۔ سونے اور چاندی کی بھی بین الاقوامی مارکیٹ ہوتی ہے۔

(۲) قومی منڈی یا National Market جب کسی چیز کے خریدار اور فروخت کرنے والے صرف ایک ہی ملک تک محدود ہوں تو اس چیز کی قومی منڈی کہلاتی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں کھدر اور ملوں کا کپڑا بنا جاتا ہے۔ اس کی مانگ صرف ہندوستان تک محدود ہے۔ اور

اس کے فروخت کرنے والے بھی صرف ہندوستان ہی میں ہیں۔ اس لئے کھدر اور ملوں کے کپڑے کی مارکیٹ قومی منڈی کہلائیگی۔

(۳) مقامی منڈی یا Local market جس چیز کے خریدار اور فروخت کرنے والے صرف ایک مقام تک محدود ہوں اُس چیز کی مقامی مارکیٹ کہلاتی ہے۔ مثلاً دھلی میں پھلوں کی مقامی مارکیٹ ہے کیونکہ دھلی کے پھلوں کی مانگ کلکتہ یا لنڈن میں نہیں ہوسکتی۔ وہاں جاتے جاتے یہ پھل خراب ہوجاتے ہیں۔ یا صوبہ دھلی کے نقشہ کی منڈی بھی صرف مقامی منڈی ہے۔ کیونکہ دوسرے صوبوں میں دھلی کے نقشہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(ب) منڈی کی دوسرے لحاظ سے تقسیم وقت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ وقت کے لحاظ سے منڈی کی تقسیم کرتے وقت اس خاص چیز کی مانگ یعنی Demand اور رسد یعنی Supply پر غور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ وقت کے لحاظ سے منڈی کی چار قسمیں ہیں:-

(۱) یکروزہ منڈی One day Market یعنی صرف ایک دن کی منڈی۔ ایسی حالت میں چیزوں کی رسد Supply بڑھائی نہیں جاسکتی۔ کیونکہ وقت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرے مقامات سے چیزیں نہیں لائی جاسکتیں۔

(۲) قلیل عرصے کی منڈی Short Time Market مثلاً چند مہینوں کی منڈی۔ مثلاً کسی چیز کی مانگ صرف چند مہینے تک باقی رہتی ہے۔ ایسی

حالت میں رسد تھوڑی بہت بڑھ سکتی ہے۔ لیکن فروخت کرنیوالے موجودہ عاملینِ پیدائش یا Factors of Production سے ہی زیادہ کام لے کر چیزوں کی رسد بڑھا دیں گے۔

(۳) کافی عرصے کی منڈی یا Long Period Market ایسی حالت میں چیزوں کی مانگ کافی عرصہ یعنی چند سال تک قائم رہتی ہے۔ اور فروخت کرنیوالے چیزوں کی رسد دُور دور سے منگا کر بڑھا سکتے ہیں۔

(۴) بہت لمبے عرصہ کی منڈی یا Very Long Period Market یعنی چیزوں کی مانگ کئی کئی برس تک اسی طرح قائم رہتی ہے۔ اور فروخت کرنیوالے عاملینِ پیدائش یعنی Factors of Production کو خوب اچھی طرح جمع کر سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں نئی ایجادیں اور اختراعات بھی مدد دیتی ہیں۔

کسی خاص چیز کی وسیع منڈی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرطوں کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے:-

(۱) جب کسی چیز کی مانگ Demand تمام دنیا میں ہوتی ہے۔ تو اس کی منڈی بھی بین الاقوامی بن جاتی ہے۔ مثلاً سونا۔ چاندی۔ ہیرے جواہرات کی تمام دُنیا میں مانگ Demand ہے اس لئے ان تمام چیزوں کی بین الاقوامی مارکیٹ ہے۔

(۲) اگر کسی چیز کو صرف نمونہ دیکھ کر پسند کیا جا سکتا ہے اور اسے صرف نمونے سے پرکھا جا سکتا ہے۔ تو ایسی چیز کی منڈی بھی بہت وسیع ہوتی ہے۔ لوگ اپنے

گھروں پر بیٹھ کر صرف اس چیز کا نمونہ دیکھ کر اس کی خریداری منظور کر لیتے ہیں اور مال آنیپر اسے پرکھ لیتے ہیں۔ اس قسم کے مال سے خریداروں اور فروخت کرنیوالوں دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ خریدار مال گھر بیٹھے خرید لیتے ہیں۔ اور فروخت کرنیوالوں کو سب مال اپنے ساتھ اٹھا کر پھرنا نہیں پڑتا۔ مثلاً ہندوستان کا ایک سوداگر امریکہ کے سوداگر کے پاس اپنی گیہوں کے مختلف نمونے بھیجدیتا ہے۔ امریکہ کا سوداگر انہیں پسند کر کے خریداری منظور کر لیتا ہے۔ اس طرح سودا بہت سستا ہو جاتا ہے۔ جن چیزوں میں نمونے بھیجے جانے کی گنجائش اور قابلیت ہوتی ہے۔ اُن کی منڈی وسیع ہوتی ہے۔

(۳) جو چیزیں آسانی سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک بھیجی جا سکتی ہیں۔ اور اس نقل و حرکت میں ان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ ایسی چیزوں کی منڈی بھی وسیع ہوتی ہے۔ مثلاً پھل۔ پھول وغیرہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتے جاتے خراب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی منڈی بہت محدود ہوتی ہے۔ اور صرف آس پاس اور قرب وجوار کے علاقوں تک اِن کی مانگ ہوتی ہے۔ لیکن گیہوں۔ روئی۔ کپڑا چونکہ آسانی سے منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ اور راستے میں ان کے خراب ہونیکا زیادہ اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے اِن کی منڈی زیادہ وسیع ہوتی ہے۔ پیتل۔ تانبا۔ اور لوہا آسانی سے نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی سونے چاندی کی نسبت اِن کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک بھیجنے میں

زیادہ زحمت اُٹھانی پڑتی ہے۔ اِس لئے لوہے یا تانبے کی نسبت سونے اور چاندی کی منڈی زیادہ وسیع ہوتی ہے۔

اِس کے برخلاف اینٹیں اور پتھروں میں بوجھ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اور اِن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے میں خرچ بہت ہوتا ہے۔ اس لئے اِن کی منڈی ہمیشہ مقامی Local market ہوتی ہے۔ کبھی کوئی شخص دہلی میں پشاور یا کلکتہ سے معمولی پتھر یا اینٹیں خرید کر نہیں منگواتا۔ کیونکہ ان پر دہلی پہنچتے پہنچتے خرچ قیمت سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ البتہ جے پور کا سنگِ مرمر۔ یا ولایتی ٹائیل Tile چونکہ زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اور اُن پر خرچ ان کی قیمت کی نسبت سے کم آتا ہے۔ اِس لئے اِن کی منڈی بہت کافی وسیع ہوتی ہے۔

(۴) کسی چیز کی منڈی وسیع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اُسکی رسد بھی Supply بہت زیادہ ہو جو اُس کی مانگ Demand کو پورا کر سکے۔ اگر کسی چیز کی رسد Supply کم ہے۔ تو لوگ اس کی جگہ دوسری چیزیں استعمال کرنی شروع کر دیں گے اور اُس کی منڈی محدود ہو جائیگی۔

جو چیزیں مندرجہ بالا شرطوں کو پورا کرتی ہیں اِن کی منڈی وسیع ہوتی ہے مثلاً سونا۔ چاندی۔ اور دوسرے قیمتی ہیرے جواہرات چونکہ اِن تمام شرطوں کو لفظ بہ لفظ پورا کرتے ہیں۔ اس لئے اِن کی منڈی بہت زیادہ وسیع ہوتی ہے۔

کپاس - گیہوں - سن - لوہا - پیتل - تانبا - وغیرہ بھی مندرجہ بالا شرطوں کو پورا کرتے ہیں ان کی بین الاقوامی منڈی ہوتی ہے۔

وزنی چیزیں مثلاً لوہے کے صندوق - جلد خراب ہونے والے پھل - ترکاریاں میوے اور مٹھائیاں اِن شرطوں پر پورے نہیں اُترتے - اس لئے اِن کی منڈی بہت زیادہ وسیع نہیں ہوتی بلکہ صرف قریب جوار کے علاقوں تک محدود ہوتی ہے جسے عام اصطلاح میں مقامی منڈی یا Local market کہتے ہیں۔

منڈیوں کی وسعت ذرائع آمد و رفت اور نقل و حرکت کی ترقی پر منحصر ہے - جس ملک میں ذرائع آمد و رفت اور خبر رسانی کے وسیلے عمدہ پیمانے پر ہونگے - وہاں ہر چیز کی منڈی بھی وسیع ہوگی جب سے ریلیں اور دخانی جہاز ایجاد ہوئے ہیں چیزوں کی منڈیاں بھی وسیع ہوگئی ہیں - کیونکہ خبر رسانی کے وسیلے ترقی پا گئے ہیں - اور ہر چیز آسانی سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کی جاسکتی ہے - ہندوستان میں ذرائع آمد و رفت کی ترقی کا اندازہ خاص طور پر آسانی سے کیا جاسکتا ہے - ریلوں کی ایجاد سے پہلے ہندوستان کی منڈیاں نہایت محدود تھیں - اب ملک کے ہر حصہ کی پیداوار آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے۔

منڈیوں میں دلّالوں کی اہمیت: آج کل کی منڈیوں میں دلّال یا Middle man

بہت ضروری ہیں۔ اِن کے بغیر کاروبار میں بہت مشکل ہوتی ہے۔ ایک دلاّل کا فرض گاہکوں اور فروخت کرنیوالوں کے درمیان فیصلہ کرانا ہے۔ ہر بڑے شہر میں ایجنٹ یا دلاّل کثرت سے ملتے ہیں۔ یہ گاہکوں کو مال خرید کر دینے پر ان سے اپنی محنت کا حق یا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ اور جن تاجروں کا مال فروخت کرواتے ہیں ان سے بھی کمیشن Commission کے طور پر کچھ وصول کرتے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں طرف سے رقم حاصل کرتے ہیں اور گاہکوں اور فروخت کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

سوالات

۱۔ اکنومکس میں منڈی کی کیا تعریف ہے "اقتصادی منڈی" اور عام بول چال کی منڈی میں کیا فرق ہے۔

۲۔ منڈی کی مختلف قسمیں بتاؤ۔

۳۔ کسی چیز کی منڈی وسیع ہونیکے لئے کن کن شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل چیزوں کی منڈی کے لحاظ سے تقسیم کرو۔

سونا۔ چاندی۔ دہلی ٹرمیوے کے ٹکٹ۔ ہندوستان میں ڈاکخانہ کے ٹکٹ۔ مچھلی انگور۔ خربوزہ۔ آم۔ کپڑا۔ اینٹیں۔ سنگِ مرمر۔ کپاس۔ گھی۔ قالین۔ پنسل۔

۴۔ فی زمانہ تجارتی کاروبار اور منڈیوں کی وسعت پر ذرائع آمدورفت کا کیا اثر پڑتا ہے

منڈیوں میں دلاّلوں کی اہمیت کیا ہے اور ان کے فرائض کیا ہیں۔

نواں باب

دولت اور قدر و قیمت

دولت یا WEALTH

اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ جن چیزوں سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں وہ ہماری دولت یا Wealth کہلاتی ہیں۔ ہم روزانہ سینکڑوں چیزوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تو ہمیں قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور بعض چیزیں مفت حاصل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً کپڑے۔ کتابیں۔ قلم دوات۔ کھانا۔ وغیرہ تو ہم پیسے خرچ کر کے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ہوا۔ بارش موسم۔ سورج کی روشنی وغیرہ کے لئے ہم کبھی ایک کوڑی بھی خرچ نہیں کرتے یہ تمام چیزیں ہمیں قدرت کی طرف سے مفت ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ شہروں میں ہم عمدہ اور صاف سڑکوں پر چلتے ہیں۔ ہمارے شہر میں عمدہ سے عمدہ باغات اور نہریں موجود ہیں۔ ان چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بھی ہمیں ایک پیسہ تک خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ اس لحاظ سے دولت کو دو طرح تقسیم کیا جاتا ہے:-

(۱) ذاتی دولت یا Personal Wealth وہ چیزیں جو ایک انسان کی اپنی ملکیت ہوتی ہیں اور جنہیں یہ ہر وقت فروخت کر سکتا ہے مثلاً اس کا گھر۔ کپڑے۔ اور دوسرا سامان وغیرہ۔ ان مادّی چیزوں کے علاوہ انسان میں اندرونی اور ذاتی خصوصیات بھی ہوتی ہیں جن سے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے اور اُس کا دوسرے انسانوں سے رسوخ اور اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ان اوصاف کو یہ فروخت نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان سے خود فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ایم۔اے پاس ہے یہ اپنی قابلیت سے خود فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ لیکن اپنے ان اوصاف کو فروخت کر کے دوسروں کو منتقل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک موسیقی کا ماہر اِس وصف کو کسی دوسرے شخص کو نہیں دے سکتا۔ اِسے دولت غیر منقولہ یا Non Transferable Wealth کہتے ہیں۔

ایک انسان کی ذاتی دولت کا اندازہ کرتے وقت اُس کی منقولہ دولت Transferable Wealth اور غیر منقولہ دولت دونو کو جمع کیا جاتا ہے۔

(۲) قومی دولت یا National Wealth وہ چیزیں جو کسی خاص انسان کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ ان سے تمام قوم کے افراد برابر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً دھلی کے چاندنی چوک میں تمام لوگ پھر کر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

گھنٹہ گھر سے سب لوگ وقت دیکھ سکتے ہیں۔ قطب مینار کی سیر سارا

ہندوستان کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ تمام چیزیں تمام قوم یا ملک کی مشترکہ دولت ہیں۔ ان پر کوئی شخص تنہا قبضہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کسی ملک کی آب و ہوا۔ اور موسمی خصوصیات بھی سب کی مشترکہ دولت ہیں۔ ایسی مشترکہ دولت کو قومی دولت یا National Wealth کہتے ہیں۔

کسی مُلک کی قومی دولت کا اندازہ کرتے وقت ایسی مشترکہ دولت کے علاوہ اُس کے افراد کی ذاتی دولت یعنی Personal Wealth کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اس طرح اس مُلک یا قوم کی مکمل دولت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

قدر و قیمت۔ VALUE

اکنومکس کے نقطۂ نظر سے ہر چیز کی دو قیمتیں ہوتی ہیں۔

(۱) قیمت بلحاظ افادہ یعنی Value in Use یا Utility یعنی اُس کے فائدے پہنچانے کی قوت مثلاً ہوا ہر ایک انسان کو ہیرے اور جواہرات سے زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس لئے ہوا کی قیمت بلحاظِ افادہ ہیرے سے زیادہ ہے۔

(۲) قیمت بلحاظ بدل یا Value in Exchange یعنی ایک چیز کی کسی دوسری چیز سے تبادلہ ہونے کی قوت مثلاً بازار میں اگر ایک سیب کا تبادلہ چار نارنگیوں سے ہو سکتا ہے تو ایک سیب کی قیمت

بلحاظ بدل یا Value in Exchange چار نارنگیاں ہوئی۔

اگر ہم کسی چیز کی قیمت بلحاظ بدل کو روپیہ پیسہ میں بیان کردیں تو یہ اُس چیز کی قیمت یا دام Price کہلائیگی۔ مثلاً ایک ہاکی اسٹک کے خریدنے کے لئے چار روپیہ درکار ہیں۔ یا اسکی قیمت بلحاظ بدل چار روپیہ ہے۔ چنانچہ یہ چار روپیہ اسکے دام یا Price ہوئے۔

بعض چیزوں کی اگرچہ قیمت بلحاظ افادہ یعنی Value in Use تو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ان کی قیمت بلحاظ بدل یا Value in Exchange بہت کم یا بالکل نہیں ہوتی۔ مثلاً پانی اور ہوا سے زیادہ کارآمد اور فائدہ مند چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ لیکن ہوا اور پانی کی قیمت بلحاظ بدل بالکل نہیں ہوتی۔ پانی بھرنے کے لئے جو کچھ بھی ہم سقے یا میونسپل کمیٹی کو ادا کرتے ہیں۔ یہ پانی کی قیمت نہیں ہوتی بلکہ سقّوں کی اُجرت اور میونسپل کمیٹی کے انتظام کا معاوضہ ہوتا ہے۔

اس کے برعکس بعض چیزوں کی قیمت بلحاظ افادہ Value in Use بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن ان کی قیمت بلحاظ بدل یعنی Value in Exchange بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً ہیرے اور جواہرات سوائے آرائش اور زیب وزینت کے کسی کام نہیں آتے۔ لیکن ان کی قیمت بلحاظ بدل یعنی Value in Exchange بہت زیادہ ہوتی ہے۔

دُنیا کا یہ نرالا ڈھنگ اگرچہ بظاہر بہت عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑا سا غور کرنے پر معلوم ہوجائیگا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

دُنیا کا قاعدہ ہے کہ جو چیز بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ اسکی قدر و قیمت اور عزت کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً آموں کی فصل میں آم اس کثرت سے ملتے ہیں کہ گلی گلی اور بازار بازار بہت سستے داموں پر بکتے پھرتے ہیں۔ لیکن اگر یہی آم بے موسمی خریدنے جاؤ تو بہت مہنگے ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آموں کی فصل تھی۔ اِس لئے کثرت سے ملتے تھے۔ اب چونکہ اِن کا موسم نہیں رہا۔ اس لئے اِن کی قِلّت ہو گئی ہے اور دام بڑھ گئے ہیں۔ یہی حال سونے اور چاندی کا ہے۔ دُنیا میں سونا اور چاندی بہت کم مقدار میں ہیں۔ اور چاندی کی نسبت سونا اور بھی کم ہے۔ اس لئے سونے اور چاندی کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور چاندی کی نسبت سونے کی قیمت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ دونوں دھاتیں اس قدر زیادہ داموں پر فقط اپنی قلّت اور کمیابی کی وجہ سے ملتی ہیں۔ اگر آج سونا اور چاندی ہر پہاڑ سے معمولی پتھروں کی طرح نکلنے لگے اور دوسرے پتھروں کی طرح عام ہو جائے۔ تو اس کی قیمت بھی اور دھاتوں کی طرح کم ہو جائے گی۔

چیزوں کی قیمت اور دام یا Price ان کی قِلّت اور کمیابی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً ہیروں اور دوسرے قیمتی جواہرات کی اسقدر زیادہ قیمت بلحاظ بدل صرف قِلّت اور کمیابی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اِن کی قیمت بلحاظ افادہ یعنی Value in Use بہت کم ہوتی ہے۔ دھلی میں چاندنی چوک اور دریبہ کے بازاروں میں تم نے بہت سے جوہریوں کی

دکانیں دیکھی ہونگی۔ اِن کی دوکانوں میں بہت سی پُرانی تصویریں اور پرانے بُت بھی نظر آتے ہیں۔ ان تصویروں اور ٹوٹے پھوٹے بُتوں کی بظاہر اگرچہ کوئی قیمت نظر نہیں آتی لیکن یہ اپنی کمیابی اور نادر ہونے کی وجہ سے ہزاروں روپیہ کی مالیّت ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کو پرانے استعمال شدہ ٹکٹوں اور سکّوں کے جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ یہ پرانے سکّے اور پرانے ٹکٹ بھی اِسی وجہ سے بہت زیادہ قیمت پاتے ہیں کہ ان کی قِلّت ہوتی ہے۔ ایسی قیمت کو قیمت بوجہ قِلّت یا Scarcity Value کہتے ہیں۔ اگرچہ پانی ہمارے شہروں میں کثرت سے ملتا ہے۔ لیکن بعض جنگلوں اور لق ودق صحراؤں میں پانی نام کو بھی دکھائی نہیں دیتا۔ عرب کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے صحراؤں میں عرب کے باشندے پانی پر جان تک دیدیتے ہیں۔ پانی کی اِن مقامات پر اس قدر زیادہ قیمت صرف قِلّت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اِس لئے یہ بھی قیمت بوجہ قِلّت یا Scarcity Value کہلاتی ہے۔

تم نے اوپر کی مثال میں دیکھا ہے کہ بعض چیزیں بہت زیادہ فائدہ مند ہونے کے باوجود بہت کم داموں پر دستیاب ہوجاتی ہیں۔ یہ ان کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ عام طور پر ہماری ضروریات زندگی کی قیمت بہت کم ہوتی ہے۔ اور بعض ضروریات تو اسقدر سستی ہوتی ہیں کہ امیر اور غریب تمام لوگ انہیں خرید سکتے ہیں۔ مثلاً گیہوں۔ جوار۔ باجرہ

نمک - ترکاریاں وغیرہ چونکہ کثرت سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے اِن کی قیمت بھی کم ہوتی ہے - جس سال بارش نہیں ہوتی - اور فصلیں اچھی نہیں ہوتیں - اُس سال اِن چیزوں کے دام نسبتًا بڑھ جاتے ہیں - اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ فصلیں نہ ہونے کی وجہ سے اِن چیزوں کی قِلّت ہوجاتی ہے - اس لئے دام بڑھ جاتے ہیں -

ہر چیز کی قیمت یا دام مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر مقرر کئے جاتے ہیں -

(۱) کسی چیز کے دام اُسی وقت زیادہ ہوتے ہیں جبکہ اُس کی قیمت بلحاظ بدل یعنی Value in Exchange بہت زیادہ ہو - چونکہ سونے سے دوسری چیزوں کا بہت آسانی سے تبادلہ کیا جاسکتا ہے اس لئے سونے کے دام بھی زیادہ ہوتے ہیں -

(۲) جو چیز کمیاب اور قلیل ہوتی ہے - اُس کے دام بوجہ قِلّت Scarcity Value بہت بڑھ جاتے ہیں - مثلاً پرانی تصاویر ہیرے جواہرات اسی وجہ سے بہت زیادہ قیمتیں پاتے ہیں - جو چیز کثرت سے ہوتی ہے اُس کے دام بھی کم ہوتے ہیں - مثلاً پانی کی قیمت کچھ نہیں ہوتی - یا گیہوں اور موسمی پھلوں کی قیمت کثرت کی وجہ سے بہت معمولی ہوتی ہے -

(۳) ہر چیز کی قیمت اُس کی لاگت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے جس پر لاگت یا Cost of Production زیادہ آتی ہے اُس کی قیمت

بھی زیادہ ہوتی ہے۔کوئی دوکاندار عام طور پر کسی چیز کو اُس کی لاگت سے کم داموں پر فروخت نہیں کرتا۔ البتہ بہت جلد خراب ہونیوالی چیزیں بعض اوقات لاگت سے کم داموں پر بھی مجبوراً فروخت کر دی جاتی ہیں۔ کیونکہ اِن کے خریدار کم ہوتے ہیں اور اگر دکاندار کم داموں پر فروخت نہ کریں تو ان کے بگڑنے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً تازہ پھل اور مچھلی وغیرہ چونکہ زیادہ دنوں تک محفوظ رکھے نہیں جا سکتے۔ اِس لئے لامحالہ دکانداروں کو بعض اوقات انہیں لاگت سے بھی کم داموں پر فروخت کرنا پڑتا ہے۔

(۴) ہر ایک چیز خریدتے وقت گاہک اُس چیز کے اِفادہ یعنی Utility اور اس کے داموں کا مقابلہ کرتا ہے۔ یعنی یہ اندازہ کرتا ہے کہ آیا یہ چیز اس داموں کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ اور اس چیز سے یہ کتنا افادہ یا Utility حاصل کریگا۔ اگر کسی چیز کا افادہ یا Utility اس چیز کے داموں سے کم ہوتا ہے تو گاہک اس چیز کو خریدتے ہوئے ذرا ہچکچاتا ہے۔

(۵) چیزوں کے داموں کا فیصلہ زیادہ تر ان کی مانگ Demand اور رسد Supply پر ہوتا ہے۔ جب کسی چیز کے خریدار زیادہ ہوتے ہیں یعنی اسکی مانگ Demand زیادہ ہوتی ہے اور اسکو فروخت کرنیوالے کم ہوتے ہیں یعنی اسکی رسد Supply کم ہوتی ہے۔ تو قدرتی طور پر دکاندار اُس چیز کے زیادہ دام مانگتے ہیں۔

کیونکہ لوگوں کو اس چیز کی ضرورت زیادہ ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے اسباب کم ہیں۔ لیکن جس وقت کسی چیز کے کم خریدار ہوتے ہیں یعنی اس کی مانگ Demand کم ہوتی ہے۔ اور اُس کو فروخت کرنیوالے زیادہ ہوتے ہیں یعنی اس کی رسد Supply زیادہ ہوتی ہے۔ تو اس کی قیمت قدرتاً گر جاتی ہے۔ کیونکہ گاہک کم ہوتے ہیں اور بیچنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ دکانداروں کا آپس میں مقابلہ اس چیز کے دام کم کر دیتا ہے۔

مثال کے طور پر دہلی میں تم کسی روز بازار میں جاتے ہو۔ اور ایک ٹانگہ کرایہ پر لینا چاہتے ہو۔ اجمیری دروازہ سے نئی دہلی تک کے لئے تمہیں تانگہ کی ضرورت ہے۔ اس وقت بازار میں بہت سے خالی تانگے موجود ہیں۔ اور تم تنہا جانیوالے ہو۔ ہر ایک تانگے والا تمہیں نئی دہلی پہنچانے پر رضامند ہے۔ اس وقت تانگوں کی مانگ Demand کم ہے۔ اور ان کی رسد Supply زیادہ ہے۔ اس لئے تانگے والے آپس میں مقابلہ کرینگے اور ان میں سے ہر ایک تانگے والا یہی چاہیگا کہ اس کا تانگہ کرایہ پر چڑھ جائے۔ تانگہ والوں کا آپس میں مقابلہ انہیں کم دام لینے پر مجبور کریگا۔ اس طرح ان کے دام کم ہو جائیں گے۔

اس کے برخلاف کسی میلہ یا تہوار کے دن تم تانگہ کرایہ پر لینا چاہو تو بہت مہنگے کرایہ پر ملے گا۔ کیونکہ اس روز تانگوں کی مانگ Demand زیادہ ہوتی ہے۔ اور ان کی رسد نسبتاً Supply کم ہوتی ہے۔

دُنیا میں ہر چیز کی قیمت کا انحصار زیادہ تر اس کی رسد یعنی Supply اور مانگ یعنی Demand پر ہوتا ہے۔

منڈی کا نرخ:- کسی خاص چیز کی منڈی کی قیمت Market Price اس چیز کی رسد یعنی Supply اور مانگ یعنی Demand کے توازن Equilibrium کے بعد قائم ہوتی ہے۔

جن داموں پر گاہکوں کی مانگ اور فروخت کرنے والوں کی رسد ہموزن ہو جاتی ہے وہی دام اس چیز کا منڈی کا نرخ یا Market Price کہلاتے ہیں۔

مانگ اور رسد کا توازن:- مثلاً جب کسی چیز کی مانگ اسکی رسد سے بڑھ جاتی ہے۔ تو دکاندار اس چیز کے زیادہ دام وصول کرتے ہیں۔ زیادہ داموں کے لالچ سے بہت سے دکاندار اس چیز کو فروخت کرنے لگتے ہیں۔ اب اس کی رسد مانگ سے بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ منڈی میں بہت سے دکانداروں کی وجہ سے رسد مانگ سے بڑھ جاتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس چیز کے دام پھر گر جاتے ہیں۔ اب بہت سے دکاندار اس چیز کے فروخت کرنے میں منافع نہیں دیکھتے اس لئے یہ چیز فروخت کرنا بند کر دیتے ہیں۔ اِن کے جانے سے رسد پھر کم ہو جاتی ہے۔ اور مانگ رسد سے بڑھ جاتی ہے۔ اِس طرح چیزوں کی قیمتیں دوبارہ بڑھ جاتی ہیں۔ اِس

اُلٹ پلٹ میں منڈی کی قیمتیں خود بخود قائم ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن منڈی میں کسی چیز کی قیمت اُسی وقت قائم ہوتی ہے جبکہ اسکی رسد مانگ کے ہموزن اور برابر ہوجاتی ہے۔ اس مسئلہ کو مندرجہ ذیل نقشہ کے ذریعہ بہت آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

	مانگ	قیمت	رسد
(۱)	۵۰۰ من گیہوں	۶ روپے من	۱۰۰۰ من
(۲)	۶۰۰ من گیہوں	۵ روپے من	۸۰۰ من
(۳)	۷۰۰ من گیہوں	۴ روپے من	۷۰۰ من
(۴)	۸۰۰ من گیہوں	۳ روپے من	۶۰۰ من

(۱) مندرجہ بالا مثال میں پہلی دفعہ گیہوں کی قیمت ۶ روپے من ہے۔ اس قیمت پر ۱۰۰۰ من گیہوں بکنے کے لئے منڈی میں نیار ہے۔ یعنی اُسکی رسد ۱۰۰۰ من ہے۔ لیکن اس کے خریدار اس قیمت پر صرف ۵۰۰ من گیہوں خریدلنے پر رضامند ہیں یعنی رسد مانگ سے زیادہ ہے۔ اسکا لازمی طور پر یہ نتیجہ ہوگا کہ گیہوں فروخت کرنے والوں کا آپس میں مقابلہ گیہوں کی قیمت کم کردیگا۔

(۲) دوسری مثال میں ۵ روپے من کے حساب سے منڈی میں ۸۰۰ من گیہوں کی رسد موجود ہے۔ کیونکہ ۶ روپے کی بجائے ۵ روپے پر بعض دکاندار گیہوں فروخت کرنے کی بجائے آیندہ اچھے موقع کیلئے محفوظ رکھنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ اس قیمت پر صرف ۶۰۰ من گیہوں

کے خریدار موجود ہیں۔ یعنی اب بھی رسد مانگ سے زیادہ ہے۔ اِسلئے فروخت کرنے والوں کا آپس میں مقابلہ گیہوں کی قیمت اور بھی کم کردیگا۔

(۳) تیسری مثال میں ۴ روپے من کے حساب سے ۷۰۰ من گیہوں فروخت ہونے پر تیار ہے۔ یعنی اس کی رسد ۷۰۰ من ہے۔ اور اس قیمت پر ۷۰۰ من گیہوں کے خریدار موجود ہیں۔ یعنی اُس کی مانگ ۷۰۰ من ہے۔ اب چونکہ رسد اور مانگ ہموزن ہوگئی ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں رسد اور مانگ کے ترازو کے دونو پلڑے ہموزن ہوگئے ہیں)۔ اس لئے اِس قیمت پر گیہوں فروخت ہوگا۔ اور ۴ روپے من ہی منڈی کی قیمت یا Market Price کہلا ئیگی۔

(۴) چوتھی مثال میں گیہوں کی قیمت ۳ روپے من ہے۔ اِس قیمت پر ۸۰۰ من گیہوں کے خریدار موجود ہیں۔ لیکن اس قیمت پر فقط ۶۰۰ من گیہوں کی رسد ہے۔ اِس لئے خریداروں کا آپس میں مقابلہ اسکی قیمت زیادہ کردیگا۔ اور لا محالہ وہی ۴ روپے من پر گیہوں فروخت ہوگا۔

دُنیا کی ہر چیز کی قیمت اُس کی مانگ اور رسد کے توازن پر قائم ہوتی ہے۔ جس قیمت پر مانگ اور رسد برابر ہوجاتی ہے۔ وہی قیمت منڈی کی قیمت یا Market Price کہلاتی ہے اور ایک عمدہ اور مکمّل منڈی میں یہی قیمت عام طور پر رائج ہوتی ہے۔

چیزوں کی لاگت

چیزوں کے بنانے یا پیدا کرنے میں جو رقم اور محنت خرچ آتی ہے۔ اسے اِن چیزوں کی لاگت یا Cost of Production کہتے ہیں۔ مثلاً ایک ہزار گز کپڑا تیار کرنے میں مندرجہ ذیل اخراجات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اِن سب کا مجموعہ اِس کپڑے کی لاگت کہلاتا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) مالِ خام کی قیمت۔ یعنی روئی۔ کوئلہ۔ اور دوسرے مال کی قیمت جو کپڑا بنانے کے لئے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

(۲) اِس کپڑا بنانے میں مشین اور عمارت بھی گھِستی ہے۔ اِس لئے ان کا کرایہ اس کی قیمت میں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کارخانے پر خرچ کئے ہوئے سرمایہ کا سود بھی اِس کپڑے کی قیمت میں لگایا جاتا ہے۔

(۳) مشین پر کام کرنے والے مزدوروں اور دوسرے ملازمین کی تنخواہیں۔

(۴) منتظم یعنی Organizor کا حقِ محنت۔

(۵) اس مال کا اشتہار دینے کے اخراجات۔

اِن تمام چیزوں کی قیمت کو اگر جمع کر لیا جائے تو یہ اس ایک ہزار گز کپڑے کی لاگت کہلائیگی۔

سوالات

۱ - قومی دولت اور ذاتی دولت میں کیا فرق ہے۔ مندرجہ ذیل چیزیں کونسی دولت ہیں۔

بارش۔ دریائے جمنا۔ بحیرۂ ہند۔ تمہارا اسکول۔ گھڑی۔ گھنٹہ گھر۔ سائکل۔ ٹر یموے۔

۲۔ قیمت بلحاظ بدل اور قیمت بلحاظ افادہ سے تم کیا مطلب سمجھتے ہو۔ مندرجہ ذیل چیزوں کی قیمت بلحاظ افادہ اور قیمت بلحاظ بدل کے تقسیم کرو۔

چاندی۔ پانی۔ ہیرے۔ ہوا۔ روئی۔ کتابیں۔ پانی کا نل۔ ٹوپیاں۔ گھوڑے۔ بیل۔

۳۔ چیزوں کی قیمت بلحاظ بدل کس طرح مقرر کی جاتی ہے۔ اور قیمت بوجہ قلّت سے کیا مراد ہے۔

۴۔ ہماری ضروریات زندگی اِس قدر سستی کیوں ملتی ہیں۔ اگر یہ مہنگی ہو جائیں تو اُس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

۵۔ منڈی کا نرخ کس طرح مقرر کیا جاتا ہے اس میں رسد اور مانگ کے توازن سے کیا مراد ہے۔

۶۔ پیداوار کی لاگت سے کیا مطلب ہے۔ اسمیں کیا کیا اخراجات شامل ہیں۔

دسواں باب
زر اور اُس کی قسمیں

مُبادلہ یا BARTER

آج کل جب تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے دام ادا کرکے خرید لیتے ہو۔ لیکن پہلے زمانے میں روپیہ یا پیسہ کی قسم سے کوئی چیز رائج نہیں تھی۔ لوگ چیزوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ یا Exchange کرتے تھے۔ مثلاً ایک لوہار کو سفر کرنے کے لئے گھوڑے کی ضرورت ہے۔ اور ایک گھوڑے کا مالک اپنی حفاظت کے لئے تلوار چاہتا ہے۔ اُس نے لوہار سے جاکر فیصلہ کیا کہ اگر لوہار اسے ایک تلوار بنا دیگا تو یہ اُس تلوار کے بدلے میں اسے اپنا گھوڑا دے دیگا۔ لوہار نے تلوار بناکر گھوڑے کے مالک کے حوالے کردی اور اُس سے تلوار کے معاوضہ میں گھوڑا لے لیا۔ چیزوں کے اس ردّوبدل کو اکنومکس میں مُبادلہ یا Barter کہتے ہیں۔

لیکن اس طرح مُبادلہ کے ذریعہ کاروبار کرنے میں بہت سی دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۱) مثلاً لوہار کو گھوڑے کی ضرورت ہے۔ لیکن گھوڑے کا مالک ایک کمبل کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لوہار کے پاس کوئی کمبل نہیں ہے کہ کمبل دے کر گھوڑا لے لے۔ اس دقّت کو ضروریات کی مطابقت یا Coincidence of wants کہتے ہیں۔ بہت مشکل سے ایسے دو آدمی ملیں گے کہ جن کی ضروریات ایک دوسرے سے مطابقت کرتی ہیں۔ مثلاً اگر جولاہے کو گیہوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ کپڑا دے کر گیہوں لینا چاہتا ہے۔ تو کسان کو کپڑے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے زمین جوتنے کے لئے ہل درکار ہے۔

(۲) چیزوں کا مُبادلہ کرتے وقت ان کی قیمت یا دام مقرر کرنے میں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ مثلاً گھوڑے کا مالک لوہار سے صرف ایک تلوار کے عوض میں گھوڑے کا مُبادلہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ میرا گھوڑا تمہاری تلوار سے زیادہ قیمتی ہے اس لئے گھوڑے کے مُبادلہ میں تلوار کے ساتھ ایک چاقو بھی دو۔ اِس بات کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قیمت کا معیار یا Standard of Value موجود نہیں ہوتا کہ جس کے مطابق سب چیزوں کی قیمتیں مقرر کی جا سکتی ہیں۔ ایسی حالت میں چیزوں کی ایک دوسرے سے نسبت کا یاد رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک گاؤں میں

مندرجہ ذیل چیزوں کا ذیل کے نقشہ کی نسبت سے مُبادلہ کیا جاتا ہے:-

ایک گھوڑا	برابر ہے	ایک تلوار اور ایک چاقو کے
ایک کمبل	برابر ہے	ایک من گیہوں کے۔
ایک من گیہوں	برابر ہیں	ایک ہل کے۔
ایک ہل	برابر ہے	ایک گھوڑے کے۔
ایک تلوار	برابر ہے	ایک کمبل کے۔

مختلف چیزوں کی آپس میں نسبت کا یاد رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ اِس لئے مُبادلہ میں بہت سی دِقّتیں پیش آتی ہیں۔

ذریعہ تبادلہ

مُبادلہ کی اِن مشکلات سے بچنے کے لئے تہذیب اور تمدّن کے آغاز ہی میں اِنسان نے کچھ ترکیبیں نکال لی تھیں کہ جن کے استعمال سے یہ لوگ مبادلہ کی دقّتوں اور مصیبتوں کا شکار ہونے سے بچ جاتے تھے۔ مثلاً شکاری زمانہ یا Hunting Stage میں لوگ جانوروں کی کھالوں اور پیروں کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے۔ اِس کے بعد گڈریوں کے زمانے یا Pastoral Stage میں انسان گائے۔ بیل اور بھیڑوں کو تبادلہ کا ذریعہ بناتے تھے۔ اور سب چیزوں کی قیمت کا انحصار گائے۔ بیل پر ہوتا تھا۔ اس کے بعد جب تہذیب اور تمدّن نے اور ترقی کی تو آرائش اور زیب و زینت کا سامان تبادلہ

کے ذریعہ کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اُس زمانے میں لوگ کوڑیاں اور منکے وغیرہ پہنتے تھے۔ ایک مدت تک کوڑیاں وغیرہ ہی تبادلہ کا ذریعہ بنی رہیں۔ بعض ملکوں میں چائے کی اینٹیں۔ شیشے کے ٹکڑے۔ گیہوں۔ تمباکو۔ نمک۔ لوہا اور سوکھی ہوئی مچھلی کو تبادلہ کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن اِن تمام چیزوں میں دقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مثلاً ایک بیل کے مالک کو ایک کمبل۔ ایک کلہاڑی اور کچھ اناج کی ضرورت ہے۔ یہ سب چیزیں ایک شخص کے پاس موجود نہیں ہیں۔ اِس لئے مختلف لوگوں کے پاس جانا پڑتا تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص کو بیل کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر دے نہیں سکتا۔ کیونکہ ایسی حالت میں بیل کی قیمت بالکل نہیں رہتی۔ اس مشکل کا حل کوڑیوں اور چائے کی اینٹوں وغیرہ نے کیا۔ لیکن اِن چیزوں کے استعمال میں یہ دقّت تھی کہ بیل تو ہر جگہ اور ہر شخص کے کام آجاتا تھا۔ لیکن کوڑیاں وغیرہ کسی کے کام نہیں آتی تھیں یا ان میں ذاتی طور پر کوئی قیمت یا نفعت نہیں تھی۔ اِس لئے جو چیز ایک جگہ کے باشندے پسند کرتے تھے اُسے دوسرے مقام کے لوگ لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ اِس لئے خرید و فروخت میں پھر مشکل کا سامنا ہوا۔

اِنسان نے تہذیب اور تمدّن میں اور ترقی کی تو اِسے معلوم ہوا کہ سونا اور چاندی دُنیا میں بہت کم مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اِس لئے

ان کی قیمت بوجہ قلّت یعنی Scarcity Value زیادہ ہے۔ چنانچہ سونے اور چاندی کو تبادلہ کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اس وجہ سے تمام دُنیا کے کاروبار میں سونے اور چاندی کو تبادلے کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا جس سے بین الاقوامی یعنی International تجارت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی۔

پہلے سونے کی سلاخیں ذریعہ تبادلہ یا زر Money کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ ان میں یہ آسانی تھی کہ ضرورت کے وقت جس قدر سونا چاہو کاٹ لو۔ اور اس کے عوض میں اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لو۔ سلاخوں کا اُٹھانا اور رکھنا بہت مشکل کام تھا۔ اس لئے بعد میں سونے کی ٹکیاں رائج ہوئیں۔ لیکن ہر تبادلہ کے وقت اِن میں کھوٹا اور کھرا پرکھنے کے لئے کسوٹی پر کَسنے کی ضرورت تھی۔ اس مشکل کو دُور کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے اِن ٹکیوں پر سرکاری مُہریں لگنے لگیں۔ لیکن لوگوں نے ان کے کناروں کو گھِسانا شروع کر دیا۔ اِس دقّت کو دُور کرنے کے لئے سکّے کے کناروں پر لکیریں بنائی جانے لگیں تاکہ کوئی شخص سکّے کو گھِس کر سونا نہ اُتار سکے۔

اس وقت تمام دُنیا میں سونے اور چاندی کے سکّے تبادلہ کا ذریعہ قرار دیئے جا چکے ہیں۔ کسی چیز کو تبادلہ کا ذریعہ بنانے سے پہلے اس چیز میں مندرجہ ذیل شرطوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ جس چیز میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں اسے "عمدہ زر" یا Good Money کہتے ہیں۔

(۱) اِس چیز میں ذاتی طور پر بھی قیمت ہونی چاہیئے۔ تاکہ ہر جگہ آسانی سے قبول کی جا سکے اور تبادلہ کا ذریعہ بن سکے۔

(۲) اس کی قیمت تقریباً یکساں رہنی چاہیئے۔ اگر روزانہ گھٹتی بڑھتی رہیگی تو لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت گر جائے گی۔

(۳) اِس چیز کو آسانی سے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ اور اس طرح تقسیم کرنے میں اس کی قیمت میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ یعنی اگر اِسے دوبارہ جمع کر دیا جائے تو اس کی قیمت پھر اتنی ہی ہو جائے۔ اور اگر اسے چھوٹے چھوٹے حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اِن تمام حصّوں کی مجموعی قیمت اصل چیز کی قیمت کے برابر ہو۔

(۴) یہ چیز ایک عرصے تک بغیر خراب ہوئے محفوظ رہنے کے قابل ہو۔ اگر اس کے بگڑنے یا خراب ہونے کا اندیشہ ہوگا تو لوگ اِسے قبول کرتے ہوئے ہچکچائیں گے۔

مثلاً گیہوں یا چارہ وغیرہ زیادہ عرصہ تک اپنی اصلی حالت میں قائم نہیں رکھی جا سکتی۔ لیکن سونا اور چاندی ایک مدت تک اپنی اصلی حالت میں بغیر خراب ہوئے رہ سکتا ہے۔ اِس لئے سونا اور چاندی زر یا Money کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

(۵) یہ چیز آسانی سے پرکھی جا سکتی ہو بعض چیزیں آسانی سے پہچانی نہیں جاتیں۔ اِس لئے اِن کے استعمال میں دھوکے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً ہر اوسط درجے کا شخص اصلی ہیرے اور نقلی ہیرے میں مشکل سے تمیز

کر سکتا ہے۔ اس لئے ہیرا تبادلہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں لوگوں کو خوب دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ عمدہ زر اپنی آواز رنگ اور چمک سے پہچانا جا سکتا ہے۔

(۶) اس کو پگھلا کر دوسرے چھوٹے سکوں کی شکل میں ڈھالا جا سکتا ہو۔

(۷) اس چیز کی کم وزن میں زیادہ قیمت ہو۔ تاکہ آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکے۔ لوہا بہت وزنی ہوتا ہے۔ لیکن سونا اور چاندی تھوڑے سے وزن میں ہزاروں کی مالیت رکھتے ہیں اس لئے ان کا استعمال زر کے طور پر زیادہ موزوں ہوتا ہے۔

سونے اور چاندی میں عمدہ زر کی مندرجہ بالا خواص لفظ بہ لفظ موجود ہیں۔ اس لئے سونے اور چاندی کو زر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ قیمت کی زیادتی اور کم حجم میں زیادہ قیمت کے اوصاف ہیرے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایک تو اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس کی قیمت گر جاتی ہے اور اسے دوبارہ ایک جگہ پہلی حالت میں جمع نہیں کر سکتے اور دوسرے اس کے پرکھنے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ اس پر کوئی مُہر یا نشان نہیں لگ سکتا۔ اس وجہ سے ہیرا زر کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔

زر کے کام:- زر مندرجہ ذیل کام کرتا ہے:-

(۱) زر کو ذریعہ تبادلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

جس سے خرید و فروخت میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

(۲) زر سے دوسری چیزوں کی قیمت ناپی جاتی ہے۔ ہم ہر چیز کی قیمت کا اندازہ زر کے ذریعہ کرتے ہیں۔ مثلاً ایک گیند کی قیمت چار آنے کہنے سے اس کی قیمت بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔

(۳) ہم اپنا گذشتہ قرضہ زر کے ذریعہ ادا کرتے ہیں اور اسے کوئی قرضخواہ قبول کرنے میں اعتراض نہیں کرتا۔ کیونکہ اسکی قیمت قرضے کے وقت بھی وہی تھی اور اب قرضہ اُتارتے وقت بھی اتنی ہی ہے۔

(۴) زر کو ذخیرۂ دولت یا Store of Value کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم زر آج جمع کریں اور ایک سال بعد اُسے خرچ کریں تو اُس کی قیمت بالکل آج ہی جتنی ہوگی۔ اس لئے لوگوں کو دولت جمع کرنے میں زر کافی مدد دیتا ہے۔ کیونکہ اُنہیں اِس طرح نقصان کا خطرہ نہیں رہتا۔

زر کے استعمال میں عادت کا دخل:۔ زر کے استعمال میں انسان کی عادت کا بہت بڑا دخل ہے۔ لوگ جس چیز کے استعمال کے عادی ہو جاتے ہیں اُسے زر کے طور پر فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ اور نئی چیزوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ مثلاً جب ہندوستان میں کوئی نیا سکہ بن کر آتا ہے تو لوگ اسے قبول کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس کے استعمال کے عادی نہیں ہوتے۔ جب رانگ کی دوّنیاں اور چوّنیاں ہندوستان میں نئی نئی رائج ہوئی

نفیس تو لوگ انہیں قبول کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن اب رفتہ رفتہ ان کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب انہیں زر کے طور پر خوب استعمال کرتے ہیں۔

زر کی قسمیں:- زر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(ا) سکّہ یا Metallic Money

مثلاً ہمارا ہندوستانی روپیہ یا پونڈ۔ شلنگ وغیرہ۔

(ب) زر کاغذی یا Paper Money جسے عام زبان میں نوٹ کہا جاتا ہے۔

(ا) سکّہ یا Metallic Money کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) زر مستند یا Standard Money جس سکّہ کی قیمت کے مطابق ملک میں تمام چیزوں کی قیمتیں مقرر کی جائیں۔ اور اسی کے مطابق دوسرے سکّوں کی قیمتیں لگائی جائیں اس سکّہ کو زر مستند کہتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ہندوستان میں تمام کاروبار روپیہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور دوّنیاں۔ چوّنیاں۔ اٹھنیاں بھی روپے کا جُز قرار دی جاتی ہیں۔ یعنی ان کی قیمت روپیے پر منحصر ہوتی ہے۔ اس لئے ہندوستان میں روپیہ زر مستند ہے۔ انگلستان میں پونڈ یہ تمام کام انجام دیتا ہے اس لئے انگلستان کا زر مستند پونڈ ہے۔

زر مستند میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی اصلی قیمت یعنی Intrinsic Value اس کی سرکاری مقررہ شدہ قیمت یا Face Value کے برابر ہوتی ہے۔ مثلاً انگلستان کے ایک پونڈ کو اگر بازار میں پگھلا کر فروخت کیا جائے تو اُسکا سونا ۲۰ شلنگ

کا فروخت ہوگا۔ یعنی ایک پونڈ میں ۲۰ شلنگ قیمت کا سونا ہوتا ہے۔ اور یہی اُس کی ظاہری قیمت یا Face Value ہے

(۲) زرِ وضعی یا Token Money چھوٹے موٹے کاروبار کے لئے عام طور پر کم قیمت کے چھوٹے سکّے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان کو زرِ وضعی کہتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ہندوستان میں پیسہ اکنّی۔ دوّنی۔ چوّنی اور اٹھنّی چھوٹی قیمت کے سکّے ہیں۔ اِس لئے یہ زرِ وضعی یا Token Money کہلاتے ہیں۔ انگلستان میں شلنگ اور پنس زرِ وضعی ہیں۔

زرِ وضعی کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کی اصلی قیمت ان کی ظاہرا قیمت سے بہت کم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک اکنّی میں چار پیسے کے برابر چاندی نہیں ہوتی۔ یا انگلستان کے ایک شلنگ میں ۱۲ پنس جتنی چاندی نہیں نکلتی۔

(۳) زرِ قانونی یا Legal Tender Money اُس سکّے کو کہتے ہیں کہ جسے ہر قرضخواہ اپنے قرضداروں سے قرضہ کی ادائیگی میں قبول کرنے پر حکومت کی طرف سے مجبور ہوتا ہے۔ سب کاروبار اور لین دین میں یہی سکّہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ہندوستان میں روپیہ ہر قرضہ کی ادائیگی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سب کاروبار اور تجارت کی جاتی ہے۔ اس لئے ہندوستانی روپیہ زرِ سرکاری یعنی Legal Tender Money کہلاتا ہے۔ لیکن کوئی شخص دس روپے سے زیادہ اکنّیاں۔ دوّنیاں۔ چوّنیاں اور پیسے وغیرہ لینے پر مجبور

نہیں کرسکتا۔ اس لئے یہ چھوٹے سکّے زرِ قانونی نہیں کہلاتے۔ انہیں اکنومکس کی اصطلاح میں Token Money کہتے ہیں۔ یعنی ان کی تعداد محدود ہوتی ہے۔ لیکن روپیہ کی تعداد محدود نہیں ہوتی جس قدر چاہو ادا کرو اس پر کوئی قید نہیں ہوتی اس لئے Legal Tender Money کہلاتا ہے۔

(ب) زر کی دوسری قسم زرِ کاغذی یا Paper Money ہے تم نے بازاروں اور دوسرے کاروبار میں روپے کے علاوہ نوٹوں کا استعمال بھی دیکھا ہوگا۔ اگرچہ بظاہر تو یہ صرف کاغذ کے پُرزے ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں اور عام کاغذ کے پُرزوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ کاغذ قیمت رکھتا ہے۔ اور اسے سرکار کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے اِس کی قیمت ہر سرکاری خزانہ سے ہر وقت وصول کی جاسکتی ہے۔ ہندوستان میں زرِ کاغذی یا نوٹ گورنمنٹ خود شائع کرکے رائج کرتی ہے۔ لیکن انگلستان اور دوسرے ملکوں میں زرِ کاغذی کا انتظام ملک کے بڑے بڑے بنکوں کے سپرد ہوتا ہے۔ اور یہ بنک حکومت کے کارندوں کے طور پر یہ کام کرتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان میں تمام زرِ کاغذی کا انتظام بنک آف انگلینڈ کے ہاتھ میں ہے۔ جو زرِ کاغذی کے متعلق جملہ کاروبار کی ذمہ دار ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرکار جس قدر نوٹ چاہتی ہے چھاپ کر بانٹ دیتی ہے۔ لیکن اُن کا یہ خیال غلط ہے۔ گورنمنٹ جس قدر

نوٹ رائج کرتی ہے۔ اُسی قدر یا اس سے کچھ کم روپیہ نقدی کی صورت میں اپنے پاس جمع رکھتی ہے تاکہ ہر وقت اِن نوٹوں کو سِکّوں کی شکل میں تبدیل کر سکے۔ جس شخص کا جی چاہے نوٹ لیکر فوراً سرکاری خزانے میں جا سکتا ہے۔ سرکاری افسر اِس نوٹ کے سِکّے دیدیں گے۔ اگر بغیر سکّے جمع کئے ہوئے نوٹ شائع کر دئے جائیں تو انہیں سِکّوں میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں نوٹوں کی حیثیت معمولی کاغذ کے پُرزوں سے زیادہ نہیں رہتی۔ اور لوگوں کو اس قِسم کے زر کاغذی پر اعتبار نہیں رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزانہ کاروبار میں لوگ زرِ کاغذی کو قبول نہیں کرتے۔

جنگِ عظیم کے زمانے میں بعض ملکوں نے بغیر کِسی رقم کو جمع کئے ہوئے لاتعداد نوٹ شائع کر دئے تھے۔ کیونکہ حکومتوں کے پاس سونا اور چاندی نہیں تھی۔ اور اُنہیں زر کی ضرورت تھی۔ اس کا آسان ترین طریقہ یہی تھا کہ بغیر کِسی زرِ امانت یا Reserve Fund کے نوٹ شائع کر دیں۔ لیکن اِن کی یہ چالاکی بہت جلد ظاہر ہو گئی۔ لوگ جب اِن نوٹوں کو سِکّوں کی صورت میں تبدیل کرانے گئے تو اِن ملکوں کی حکومتوں کو بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اِن کے پاس زرِ نقد تو تھا ہی نہیں مجبوراً انہیں نوٹ سِکّوں کی صورت میں تبدیل کئے بغیر واپس کرنے پڑے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ گیا اور یہ نوٹ بعد میں ردّی کاغذوں کی طرح پھینکنے پھرے۔ کیونکہ یہ زرِ نقد کی صورت میں

تبدیل نہیں ہو سکتے تھے۔ اور ان کی قدر و منزلت لوگوں کی نظروں میں معمولی کاغذوں سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے ہر حکومت نوٹ شائع کرنے سے پہلے اِن کو نقدی کی صورت میں تبدیل کرنے کے لئے ایک معقول رقم زرِ امانت یا Reserve Fund کے طور پر جمع کر لیتی ہے تاکہ سب نوٹ آسانی سے نقدی میں تبدیل ہو سکیں اور لوگوں کا اعتماد قائم رہے۔

زرِ کاغذی کے استعمال کے فوائد:-

(۱) زرِ کاغذی کے استعمال کا رواج سِکّوں کے استعمال میں کمی کر دیتا ہے۔ اس طرح مُلک کے اندر عام طور پر زرِ کاغذی رائج ہو جاتا ہے۔ اور سِکّوں کا سونا اور چاندی دوسری صنعتوں میں کام آجاتا ہے۔ چنانچہ ملک کی تجارت میں ترقی ہوتی ہے۔ یا اس سونے سے دوسرے ملکوں کا مال خریدا جا سکتا ہے۔

(۲) سِکّوں کے استعمال سے سکّے گھِس جاتے ہیں۔ اس طرح ملک کا سونا اور چاندی بیکار ضائع ہوتا ہے۔ زرِ کاغذی کا استعمال سونے اور چاندی کو گھِسنے سے بچا لیتا ہے۔ جب زرِ کاغذی گھِس جائے فوراً گورنمنٹ نئے زرِ کاغذی شائع کر دیتی ہے۔

(۳) سِکّوں کی نسبت زرِ کاغذی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے لاکھوں روپے کے نوٹ جیب میں رکھ لو۔ کسی کو علم تک نہیں ہو سکتا۔

زرِ کاغذی کے نقصانات :-

(۱) زرِ کاغذی کو بعض اوقات حکومتیں بغیر کسی زرِ امانت یا Reserve Fund کے شائع کر دیتی ہیں۔ اس طرح عوام کو دہوکا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اب یہ نوٹ سکّوں میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔

(۲) زرِ کاغذی صرف اُسی ملک میں استعمال ہو سکتا ہے کہ جس کی حکومت اسے شائع کرتی ہے۔ دوسرے ملک اِسے قبول نہیں کرتے۔ مثلاً افغانستان کا نوٹ ہندوستان میں قبول نہیں کیا جاتا اس لئے یہ دوسرے ملکوں میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف سکّے اپنی اصلی قیمت کے لحاظ سے تمام دُنیا میں چل سکتے ہیں۔

(۳) زرِ کاغذی بعض اوقات بے احتیاطی کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے مثلاً پانی میں گل جاتا ہے یا آگ میں جل جاتا ہے۔ ایسی صورت میں لوگ اسے لیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

گریشم کا قانون

تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بہت سے سکّے استعمال ہوتے ہوتے گھس جاتے ہیں اور اکثر لوگ انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کے پاس نیا سکّہ ہو چمکدار اور نئے سکّے جمع کرنے کا شوق صرف بچوں ہی کو نہیں ہوتا بلکہ بڑے بڑے عقلمند بھی گھسے ہوئے سکّوں کے مقابلے میں نئے اور چمکدار سکّے زیادہ

پسند کرتے ہیں۔ اس کے متعلق اکنومکس میں ایک نہایت دلچسپ قانون ہے۔ جسے گریشم کا قانون کہتے ہیں:۔

ملکہ الزبتھ جبکہ انگلستان میں حکومت کرتی تھیں، اِن کے عہدِ حکومت میں لوگوں کو گھِسے ہوئے سِکّوں کے متعلق بہت شکایت تھی۔ حکومت نے اگرچہ ٹکسال سے بہت سے نئے سِکّے بنا کر رائج کئے تھے۔ لیکن ہر دفعہ یہ ٹکسال سے نکلتے ہی غائب ہو جاتے تھے۔ اور ملک میں ہر طرف سے پھر اِنہی پرانے سِکّوں کی شکایات آجاتی تھیں۔ اِنکی حکومت میں سر تھامس گریشم Sir Thomas Gresham ایک بہت بڑے عہدہ پر ممتاز تھے۔ گریشم صاحب نے یہ ترکیب بتائی کہ جب تک ملک میں پرانے سِکّے موجود ہیں۔ نئے سِکّے رائج نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ لوگ نئے سِکّوں کو تو جمع کر لیتے ہیں۔ اور پُرانے سِکّے کاروبار میں کام لاتے ہیں۔ اس لئے جب تک پرانے سِکّے بالکل خارج نہ کر دئے جائیں نئے سِکّے ملک میں رائج نہیں ہو سکتے۔ گریشم صاحب کی اس تجویز کو گریشم کا قانون کہتے ہیں جسے اِن الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے:۔

"پُرانے سِکّے نئے سِکّوں کو نکال دیتے ہیں"

یعنی پُرانے سکوں کی موجودگی میں نئے سِکّے رواج نہیں پا سکتے بلکہ نئے سِکّوں کو لوگ جمع کر لیتے ہیں اور پرانے سِکّے اسی طرح استعمال میں آتے رہتے ہیں۔

ہندوستانی روپیہ: ہندوستانی روپیہ کی بہت دلچسپ کہانی ہے۔ انگریزی راج سے پہلے ہندوستان میں سینکڑوں قسم کے سکّے رائج تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے قدم جمانے ہی تمام ہندوستان میں ایک قسم کا سکّہ رائج کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور آخر کار ۱۸۳۵ء میں اس کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ یعنی ہمارا موجودہ روپیہ تمام ہندوستان میں رائج ہو گیا۔ اُس وقت ایک روپیہ میں ۱۸۰ گرین چاندی ہوتی تھی۔ ہر شخص ۱۸۰ گرین چاندی کسی ٹکسال میں لیجا کر اسے روپے کی صورت میں تبدیل کرا لیتا تھا۔ لیکن ۱۸۹۳ء میں چاندی کی قیمت ایک دم بہت گر گئی۔ اب روپے کی قیمت ۱۶ آنے سے کم ہو گئی اس قیمت کے بدلنے سے گورنمنٹ کو بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی ترکیب گورنمنٹ نے یہ سوچی کہ ۱۸۹۳ء سے ہر شخص کو ۱۸۰ گرین چاندی لے جا کر ٹکسال سے روپیہ بنوانے کی اجازت نہیں رہی۔ اب اگرچہ لظاہر روپیہ کی قیمت وہی ۱۶ آنے ہو گئی لیکن روپے میں چاندی ۸ آنے یا دس آنے سے بھی کم قیمت کی رہ گئی۔ کیونکہ اب اس میں ۱۸۰ گرین چاندی کی بجائے ۱۶۵ گرین چاندی اور ۱۵ گرین کھوٹ استعمال ہونے لگا۔

۱۸۹۳ء تک ہمارے روپیہ میں زرِ مستند یا Standard Money کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ یعنی اس کی اصلی قیمت اسکی ظاہرا قیمت جتنی تھی۔ لیکن اب اس کی اصلی قیمت تو کم ہو گئی لیکن ظاہرا قیمت وہی

۱۶ار آنے رہی۔ یعنی اب ایک طرح سے ہمارا روپیہ دوّنیوں اور چوّنیوں کی طرح زرِ وضعی یا Token Money بن گیا۔ لیکن گورنمنٹ کے قانون کے مطابق اب بھی یہ زرِ سرکاری یا Legal Tender Money ہے۔ یعنی تمام کاروبار اسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ہر قرضخواہ اسے غیر محدود تعداد میں قبول کرنے پر مجبور ہے۔ یعنی ہمارا روپیہ زرِ وضعی یا Token Money ہونے کے باوجود سرکاری قانون کی رو سے غیر محدود طور پر زرِ سرکاری بھی ہے۔

سوالات

۱- مبادلہ کسے کہتے ہیں اور اس میں کیا کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

۲- زرِ عمدہ کے خواص بیان کرو۔ اور زرِ عمدہ کے کام بتاؤ۔ زر کے استعمال میں عادت کو کیا دخل ہے؟

۳- زرِ سند۔ زرِ وضعی۔ زرِ قانونی۔ زرِ کاغذی کی تعریف کرو۔

۴- زرِ کاغذی کے فائدے اور نقصانات بتاؤ۔

۵- گریشم کے قانون سے کیا مطلب سمجھتے ہو؟

۶- کیا ہندوستانی روپیہ زرِ وضعی ہونے کے باوجود زرِ سند بھی کہلا سکتا ہے۔ اس کی وجہ بتاؤ اور ہندوستانی روپیہ کی شروع سے تاریخ بیان کرو۔

گیارہواں باب

بنک اور زر کا لین دین

مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں:- پہلے زمانے میں تمام کاروبار اور تجارت صرف ایک شخص کے سرمایہ سے ہوا کرتی تھی۔ یہی اُس کے فائدے اور نقصان کا ذمہ وار ہوتا تھا اور کم و بیش یہی شخص تمام سرمایہ مہیّا کرتا تھا۔ لیکن پیداوار برپیمانۂ کبیر کی وجہ سے اب ہر کام بہت بڑے پیمانہ پر شروع کیا جاتا ہے۔ اور ایسے کاموں کے لئے کسی ایک شخص کی دولت کافی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے موجودہ زمانے میں کسی کام کو شروع کرنے سے قبل اس کا سرمایہ مہیّا کرنے کے لئے ایک کمپنی بنائی جاتی ہے۔ اور اُس کے حصّوں یا Shares کو اشتہار دے کر فروخت کیا جاتا ہے۔ ایسی کمپنی کو مشترکہ سرمایہ کی کمپنی یا Joint Stock Company کہتے ہیں۔

اس قسم کی ہر ایک کمپنی کھولنے کے لئے پہلے سرکاری طور پر اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ اور ایسی کمپنیوں کے حصّے صرف ایک خاص مقدار

تک فروخت کئے جاتے ہیں۔ جس کی اطلاع سرکار میں کی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی کمپنی ایک لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے اپنا کام شروع کرنا چاہتی ہے اس کی اجازت پہلے سرکار سے حاصل کی جائیگی اُس ایک لاکھ روپے کو منظور شدہ سرمایہ یا Authorised Capital کہتے ہیں۔ یعنی اس کمپنی کے تمام حِصّوں کی مجموعی قیمت ایک لاکھ ہوگی۔ عام طور پر ایک حصّہ کی قیمت دسؔ روپے یا سَوْ روپے ہوتی ہے۔ جو لوگ اِن حِصّوں کو خریدتے ہیں انہیں پچاس فیصدی رقم پہلے دینی پڑتی ہے اور باقی رقم بعد میں ادا کی جاتی ہے۔ جن حِصّوں کی جو قیمت پہلے وصول کرلی جاتی ہے اِسے اداشدہ سرمایہ یا Paid up Capital کہتے ہیں۔

تم نے اکثر کمپنیوں کے نام کے آخیر میں لفظ "لمٹیڈ" Limited دیکھا اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کمپنی کو کبھی نقصان ہوگا تو اُس کے حصّہ داروں کی ذمہ داری صرف اِن کے حِصّوں تک محدود رہیگی۔ یعنی کمپنی کو نقصان ہونے کی حالت میں حصّہ داروں کی جائداد سے اس نقصان کی رقم کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ صرف اِن کے حِصّوں کی رقم ضبط کی جاسکتی ہے۔ ایسی کمپنیاں بہت محفوظ خیال کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اِس طرح حصّہ داروں کو اپنی جائداد ضائع ہونے کا خطرہ نہیں رہتا۔ اور اُنہیں منافع بھی اپنے حِصّوں کی نسبت سے مِلتا ہے۔ مثلاً اگر کمپنی کو سال بھر کے بعد بیس۲۰ فیصدی منافع ہوگا تو تمام حصہ داروں

میں ان کے حصّوں کی رقم کے لحاظ سے منافع تقسیم کر دیا جائیگا۔
کمپنی کے کاروبار کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے تمام حصّہ دار ملکر چند حصہ داروں کو چُنتے ہیں جنہیں "ڈائرکٹر" Director کہا جاتا ہے۔ ڈائرکٹر مِل کر ایک صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ کمپنی کے اچھے بُرے اور تمام کاروبار کے یہی ڈائرکٹر ذمہ وار ہوتے ہیں۔ دوسرے حصہ دار تو سال بھر کے بعد اپنے منافع سے غرض رکھتے ہیں۔ اِسلئے اِن ڈائرکٹروں کا کام نہایت ذمہ داری کا ہوتا ہے۔

بنک:- بنک بھی ایک قسم کی مشترکہ سرمایہ کی کمپنی ہوتی ہے جس کا کام زر کا لین دین ہے۔ کچھ روپیہ تو بنک کا ذاتی ہوتا ہے۔ اور کچھ رقم دوسروں سے قرض لے کر کام چلاتا ہے۔ یہ لوگوں سے کم شرح سود پر قرض لیتا ہے۔ لیکن نسبتاً زیادہ شرح سود پر دوسروں کو قرض دیتا ہے۔ اور اس طرح منافع سے اپنے کاروبار کو ترقی دیتا ہے۔
بنک کے پاس اور لوگ اپنا روپیہ امانت کے طور پر رکھوا جاتے ہیں اس رقم کو امانت یا Deposit کہتے ہیں۔ اِس امانت پر بنک لوگوں کو سود دیتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کے اس روپیہ کو یہ آگے قرضہ پر چلا دیتا ہے۔ لیکن اس قرضہ پر یہ زیادہ شرح سود وصول کرتا ہے۔
گو یا بنک کے دو کام ہوتے ہیں۔
(۱) لوگوں سے روپیہ امانت یا Deposit کی شکل میں قرض لیتا ہے۔ اور اس پر انہیں سود دیتا ہے۔

(۲) لوگوں کو روپیہ قرض دیتا ہے اور اِن سے سود وصول کرتا ہے۔
بنکوں سے روپیہ دو طرح قرض لیا جاتا ہے۔ ایک تو کوئی جائداد یا اور قیمتی چیز ضمانت کے طور پر بنک کے پاس جمع کروا کے روپیہ قرض لیا جاتا ہے دوسرے بنک بڑے بڑے تاجروں کو صرف اُن کے کاروبار پر بھروسہ کرتے ہوئے قرض دیدیتے ہیں۔ یہ قرض مندرجہ ذیل طریق سے لیا جاتا ہے:-
مثلاً دھلی میں زید کی ایک بہت بڑی دکان ہے یہ گیہوں فروخت کرتا ہے۔ بکر ایک دوسرا تاجر بھی گیہوں کی تجارت کرتا ہے اس کے پاس فی الحال روپیہ نہیں ہے۔ لیکن بکر کو مال کی ضرورت ہے آجکل کاروبار زیادہ تر قرضہ یا Credit پر چلتے ہیں۔ بکر زید سے دس ہزار روپیہ کے گیہوں خرید لیتا ہے۔ لیکن اس کی قیمت فوراً ادا نہیں کرتا۔ بلکہ رسید کے طور پر زید ایک تحریر مندرجہ ذیل طریقہ پر لکھدیتا ہے۔ جس کی پشت پر بکر دستخط کردیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بکر نے اِس تحریر کو قبول کر لیا۔ اِس تحریر کو تجارتی زبان میں ہُنڈی یا Bill of Exchange کہتے ہیں:-
زید مال فروخت کرنیوالا لکھتا ہے۔
" آج سے تین مہینے بعد مجھے یا میں جسے حکم دوں اُس شخص کو مبلغ دس ہزار روپیہ ادا کردینا"
بکر مال خریدنے والا اِس تحریر پر دستخط کردیتا ہے۔ یعنی اِسے قبول Accept کر لیتا ہے۔ اب بکر اِس سودے کے تین مہینے بعد دس ہزار روپیہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن زید کو اس رقم کی ابھی ضرورت ہے۔ اس

موقعہ پر بنک کام آتے ہیں۔ زید اس ہنڈی کو لیکر کسی ایسے بنک میں جاتا ہے کہ جو بکر سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ بنک والے اس ہنڈی کو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور اس کی رقم یعنی دس ہزار روپیہ زید کو ادا کر دیتے ہیں لیکن چونکہ بنک کو یہ روپیہ آج سے تین مہینے بعد ملے گا اس لئے یہ رقم زید کو ایک طرح قرض کے طور پر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس دس ہزار میں سے موجودہ شرح سود کے مطابق تین مہینے کا سود کاٹ لیا جاتا ہے۔ مثلاً موجودہ مثال میں اگر بازار کی شرح سود تین فیصدی سالانہ ہو تو دس ہزار پر تین مہینے کا سود تین فیصدی شرح سالانہ سے ۷۵ روپے ہوگا اس لئے بنک پورے دس ہزار کی بجائے زید کو ۹۰۲۵ روپے ادا کریگا۔ اور تین مہینے بعد بکر سے پورے دس ہزار روپے وصول کرلیگا۔ یعنی اس معاملہ میں بنک کو ۷۵ روپے کا فائدہ ہوگا۔

بنک کی اس مدد سے زید کو یہ فائدہ ہوا کہ اُس کی رقم تین مہینے پہلے وصول ہوگئی۔ اور بکر کو تین مہینے کی مہلت مل گئی۔ مندرجہ بالا مثال میں ۷۵ روپیہ جو لبطور سود بنک نے کاٹے ہیں کٹوتی یا Discount کہلاتے ہیں۔

جو لوگ بنک میں اپنا روپیہ جمع کراتے ہیں۔ اُنہیں اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب اِن کا دل چاہے اور جس کو یہ حکم دیں اِن کا روپیہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ بنک کو روپیہ دینے کا حکم ایک تحریر کے ذریعہ دیا جاتا ہے جسے بنک کی اصطلاح میں چک یا cheque کہتے ہیں۔ یہ تحریر روپے کا مالک بنک کے چھپے ہوئے کاغذوں پر لکھتا ہے کہ مجھے یا فلاں

شخص کو اس قدر رقم ادا کردو۔ اس چک کو بنک قبول کر لیتا ہے۔ اور اسکے محرّر کی مرضی کے مطابق روپیہ فوراً ادا کر دیتا ہے۔

ہندوستانی مہاجن:۔ ہندوستان میں آج کل اس قسم کے سینکڑوں بنک موجود ہیں اور ان کا کاروبار بہت باقاعدگی سے انگریزی اصول پر قائم ہے۔ ان بنکوں کے رواج سے پہلے ہی روپیہ کے لین دین کا کام مہاجن اور ساہوکار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہر شہر میں اب بھی بعض مہاجنوں اور صرّافوں کی کوٹھیاں اس قسم کا کاروبار کرتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کا کاروبار موجود بنکوں کی طرح اس قدر اعلےٰ پیمانہ پر نہیں تھا لیکن تاجروں کی ضرورت کے وقت یہ صرّاف اور مہاجن بھی اسی طرح کام آتے تھے۔ ایسے صرّافوں اور مہاجنوں کا کام صرف ایک شخص کی ذاتی ملکیت ہوتا تھا لیکن موجودہ بنک بہت سے حصّے داروں کی مشترکہ مالیّت ہوتے ہیں۔ اور ان کے کاروبار پر باقاعدہ سرکاری نگہداشت ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں روپیہ ڈوبنے اور دھوکے دہی کا بہت کم اندیشہ رہ جاتا ہے۔

پُرانے زمانے کے مہاجنوں اور موجودہ بنکوں میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ پہلے اگر کوئی شخص اپنا روپیہ کسی ساہوکار کے پاس امانت کے طور پر رکھنے جاتا تھا۔ تو اسے ساہوکار کو کچھ رقم اس روپیہ کی حفاظت کے صلہ میں ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن اب اگر بنک میں روپیہ جمع کرایا جائے تو سال بھر کے بعد روپیہ جمع کرانیوالے کو بنک اپنے پاس سے

سود ادا کرتا ہے۔

اب بھی جن شہروں یا قصبوں میں بنک نہیں ہیں وہاں پرانی وضع کے ساہوکار اور مہاجن روپیہ کے لین دین کا کاروبار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ضرورتمندوں کو روپیہ قرض دیتے ہیں۔ لیکن اس پر شرح سود بہت زیادہ وصول کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بغیر کسی ضمانت کے ہر شخص کو صرف جان پہچان کی وجہ سے روپیہ قرض دیدیتے ہیں۔ اور بنک ہر شخص کو روپیہ اسی حالت میں قرض دیتے ہیں جبکہ وہ کوئی ضمانت پیش کرتا ہے۔ لوگوں کو قرض دینے کے علاوہ یہ ساہوکار تاجروں کی ہنڈیاں بھی قبول کرتے ہیں۔ اور بنکوں کی طرح ان کی رقم قبل از وقت ادا کرکے اس میں سے کٹوتی یا Discount کاٹ لیتے ہیں چونکہ ابھی ہندوستان میں انگریزی قسم کے بنکوں کا رواج بہت کم ہے اس لئے مہاجن اور ساہوکار اب بھی ضروری ہیں۔ اگرچہ ان کی شرح سود بہت زیادہ ہے۔ اور ان کے متعلق مشہور ہے کہ اپنے قرضخواہوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی چوسنے میں انہیں خوب مہارت حاصل ہے لیکن ان کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔ اس لئے ان کی موجودگی فی الحال ہندوستان میں بہت زیادہ ضروری ہے۔

انجمن ہائے امدادِ باہمی:- لوگوں کو بنکوں کے فائدے سمجھانے اور ان سے مدد لینے کا طریق بتانے کے لئے آجکل ہر گاؤں اور قصبہ میں انجمن ہائے امداد باہمی کی تحریک

کا بہت چرچا ہے۔ انجمن ہائے اِمداد باہمی کا مقصدِ اعلےٰ اپنے ممبروں اور کارندوں کو قرضے کی وبا سے نجات دلانا ہے۔ اور آپس میں مِل جُل کر کام کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس سلسلہ میں انجمن ہائے اِمداد باہمی اپنے بنک بھی کھولتی ہیں جسے Co-operative Socities کہتے ہیں۔ اِن بنکوں کا سرمایہ یعنی Capital تمامتر اِن کے حصّہ داروں کا ہوتا ہے۔ اِن کے کارندے اور منتظم تمام خدمات بغیر کسی معاوضہ یا تنخواہ کے انجام دیتے ہیں۔ اِن بنکوں میں زمیندار اپنا بچایا ہوا روپیہ جمع کراتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو قرضہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنی بنکوں سے نسبتاً کم شرح سود پر قرضہ حاصل کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ قسطوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ ایسے بنکوں کا سب سے بڑا مقصد اپنے ممبروں میں اپنی مدد آپ کرنیکے اصول کو ترقی دینا ہوتا ہے۔ دوسرے انہیں خود اعتمادی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کا سارا کاروبار یہ اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ نیز جن ممبروں کو قرضہ دیا جاتا ہے ان سے قسم لے لی جاتی ہے کہ اِسے فضول رسم و رواج اور بُری باتوں میں صَرف نہیں کرینگے اس طریقے سے ان انجمنوں کے ممبر مہاجنوں کے قبضہ سے نجات پانے کے علاوہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونیکے قابل ہو جاتے ہیں۔

انجمن ہائے اِمداد باہمی قرضہ دینے لینے کے علاوہ اور دوسرے ضروری کاموں کے لئے بھی بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً بعض کا مقصد گائے اور بیلوں کی نگہداشت اور پرورش ہوتا ہے۔ قصبوں اور دیہات کے

علاوہ ایسی انجمنیں شہروں میں بھی بن سکتی ہیں۔ چند آدمی مقرّرہ قیمت کے حِصّے خرید کر سرمایہ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس سرمایہ سے کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ جس کی آمدنی اور نقصان میں سب حصّہ دار برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ایسی انجمنوں کی دیکھ بھال اور اِن کے حساب کی پڑتال کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے انسپکٹر مقرر ہیں کوئی انجمن بغیر سرکاری اطلاع کے نہیں بن سکتی سرکار میں اطلاع دینے کے بعد ہر سال میں کم از کم دو مرتبہ سرکاری انسپکٹر اس انجمن کے کاروبار اور حساب کی پڑتال کرنے آتے ہیں۔ شہروں میں اکثر لوگ مِل کر ضروریات کی چیزیں مہیّا کرنے کے لئے کواپریٹیو اسٹورز بنا لیتے ہیں۔ اِس دکان میں ہر قسم کی ضرورت کا سامان موجود ہوتا ہے۔ جو بازار سے کم داموں پر اور عمدہ مل سکتا ہے۔ اس دکان کا منافع حصّہ داروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایسی دکانوں سے گاہکوں کو بازار کی نسبت عمدہ اور سستا مال مل جاتا ہے اور اس کے حِصّہ داروں کو منافع ہو جاتا ہے۔ اکثر اسکولوں اور کالجوں میں طلباء کے سرمایہ سے ایسی دکانیں قائم کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ طلباء کی ضرورت کا سامان فراہم کر دیتی ہیں۔ اور دوسرے طلباء اس میں کام کرتے کرتے انجمن ہائے اِمداد باہمی کے اصولوں اور اسکے عملی پہلو سے خوب واقف ہو جاتے ہیں اور اپنی آئندہ زندگی میں ان زرّین اور قیمتی اصولوں پر کام کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان کے ہر قصبہ اور گاؤں میں اس قسم کی انجمنیں مختلف مقاصد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بنائی جا چکی ہیں۔ اور اس محکمہ کی سرکاری

رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کام عام طور پر عوام الناس کی نظروں میں بہت وقعت رکھتا ہے۔ اس سے زمیندار اور کاشتکاروں نے خاص طور پر فائدہ حاصل کیا ہے۔ ایسے بنکوں اور قرضہ دینے والی انجمنوں نے مہاجنوں اور ساہوکاروں کا شکنجہ ایک حد تک ڈھیلا کر دیا ہے۔ دوسرے اب ان جاہل لوگوں کو اپنے بُرے بھلے میں تمیز کی عقل آگئی ہے۔ تمام ہندوستان میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً اس تحریک نے نہایت زبردست کارنامے سرانجام دیئے ہیں ہمارے صوبہ دہلی میں بھی اسوقت ڈھائی سو سے زیادہ اس قسم کی مختلف انجمنیں موجود ہیں۔ جو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ صوبہ دہلی میں سنٹرل کواپریٹیو بنک بھی موجود ہے۔ جو دوسرے بنکوں کی طرح سب کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اس تحریک کے ذریعہ ہمارے ملک کی ایسی ہزاروں کمزوریاں اور مشکلات جو اب تک لاعلاج سمجھی جاتی تھیں بہت جلد دُور ہو جائیں گی۔

سوالات

۱۔ بنک کسے کہتے ہیں۔ اُسکے کام اور فائدے بیان کرو۔

۲۔ ہُنڈی اور چیک سے کیا مراد ہے۔ ہُنڈی کس طرح قبول کی جاتی ہے۔ کٹوتی سے کیا مراد ہے؟

۳۔ بنکوں اور ہندوستانی مہاجنوں کے کاروبار میں کیا فرق ہے۔ ہندوستانی مہاجن تاجروں اور دوسرے لوگوں کے کس کام آتے ہیں۔

۴۔ انجمن ہائے امداد باہمی کے کیا مقاصد ہیں۔ اُنکی مختلف قسمیں بیان کرو۔

چوتھا حصّہ

تقسیم دولت

یعنی

DISTRIBUTION

بارہواں باب

تقسیمِ دولت

تمہیں یاد ہوگا کہ پیداوارِ دولت Production میں عاملینِ پیدائش باہم مل کر کس طرح مدد کرتے ہیں۔ اور کوئی پیداوارِ دولت عاملینِ پیدائش یعنی زمین۔ محنت۔ سرمایہ اور تنظیم کی مدد کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتی۔ دولت کی پیداوار کے بعد سب سے بڑا سوال عاملینِ پیدائش کو ان کی محنت کا صلہ دینے کا ہوتا ہے۔

ہم اس حصّہ میں بتائیں گے کہ دولت پیدا ہونے کے بعد مختلف عاملینِ پیدائش یعنی زمین۔ محنت۔ سرمایہ اور تنظیم کو ان کے کام کا عوض کس طرح ادا کرتی ہے۔

دولت پیدا ہونے کے بعد بازار میں آکر فروخت ہوتی ہے۔ تمام ملک کی پیداوار کی آمدنی کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو یہ آمدنی قومی آمدنی یا National Income کہلاتی ہے۔

ہر کارخانے کا مالک اپنے کارخانے کی عمارت کے مالک کو اس عمارت کا کرایہ روپیہ پیسہ دے ادا کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے مزدوروں کی اُجرت بھی روپوں ہی میں دیتا ہے۔ اس لئے پہلے تمام پیداوار فروخت کی جاتی ہے۔ پھر اُس کی آمدنی کو جسے ہم قومی آمدنی کہتے ہیں۔ مختلف عاملینِ پیدائش میں تقسیم کیا جاتا ہے قومی آمدنی کی اس تقسیم کے فعل کو اکنومکس میں تقسیمِ دولت یا Distribution کہتے ہیں۔

قومی آمدنی مندرجہ ذیل عاملینِ پیدائش میں تقسیم ہوتی ہے:۔

(۱) زمین کے مالک کو اس کی زمین استعمال کرنیکا صِلہ دیا جاتا ہے۔ جسے کرایہ یا Rent کہتے ہیں۔

(۲) مزدوروں کو اِن کی محنت کا صلہ دیا جاتا ہے۔ جسے اُجرت یا Wages کہتے ہیں۔

(۳) سرمایہ کے مالکوں کو ان کے سرمایہ کے استعمال کرنیکا صلہ دیا جاتا ہے جسے سُود یا Interest کہتے ہیں۔

(۴) جملہ عاملینِ پیدائش کے منتظم یا Organizor کو اس کے تنظیم کرنے یا Organization کا صِلہ دیا جاتا ہے۔ جسے منافع یا Profit کہتے ہیں۔

اب ہم ذیل میں عاملینِ پیدائش کے صِلوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ قومی آمدنی کو کرایہ یا Rent اُجرت یا wages سُود یا Interest اور منافع یا Profit میں کن اصولوں کے ماتحت

اور کس طرح تقسیم کیا جاتا ہے :-

(۱) **کرایہ** :- زمین استعمال کرنے کے صلہ میں جو رقم زمین کے مالک کو ادا کی جاتی ہے اسے کرایہ یا Rent کہتے ہیں۔

کاشتکاروں کو بعض اوقات کاشت کرنے کے لئے دوسرے زمینداروں سے زمین لینی پڑتی ہے۔ اور دوسروں کی زمین کاشت کرنے کا صلہ دینا پڑتا ہے۔ جسے کرایہ یا Rent کہتے ہیں۔ شہروں اور قصبوں میں لوگ مکان کرایہ پر لیتے ہیں۔ اور مہینہ بھر کے استعمال کا صلہ ادا کر دیتے ہیں۔ اس صلہ کو بھی کرایہ کہتے ہیں۔ لیکن مکانوں اور زمینوں کے کرایہ میں فرق ہے کاشتکاروں کو صرف زمین ملتی ہے۔ یہ زمین کے استعمال کا کرایہ یا Rent ادا کرتے ہیں۔ اِس کرایہ کو اکنومکس میں زمین کا کرایہ Ground Rent کہتے ہیں۔ لیکن شہروں میں زمین کے علاوہ اس پر مکانات بھی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اِن مکانوں کی تعمیر پر مالک مکان کچھ سرمایہ لگاتے ہیں جس پر اُنہیں سود لینے کا حق ہوتا ہے اس لئے مکانوں کے کرایہ میں دو چیزیں شامل ہوتی ہیں :-

(۱) اُس زمین کا کرایہ Ground Rent کہ جس پر یہ مکان تعمیر کیا جاتا ہے۔

(۲) اُس سرمایہ کا سود کہ جس سے یہ مکان تعمیر کیا جاتا ہے۔

اِسی وجہ سے مکانوں کا کرایہ کاشتکاری کرنے والی زمین سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں سود اور کرایہ دونو شامل ہوتے ہیں۔

شہروں میں مکانوں اور خالی زمینوں کے کرایہ زیادہ ہونے کی ایک وجہ زمین کی کمی اور قلت بھی ہوتی ہے۔ یعنی شہروں میں زمین کی مقدار تو محدود ہوتی ہے۔ لیکن اس کے خریدار بہت ہوتے ہیں۔ ہمیشہ مانگ Demand کے رسد یعنی Supply سے بڑھ جانے کا نتیجہ قیمتوں کی زیادتی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے شہروں میں مکانوں کا کرایہ زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس مسئلہ کو ہم اس طرح ظاہر کر سکتے ہیں:-

(۱) شہروں میں آبادی زیادہ ہوتی ہے اور زمینوں کی مقدار محدود ہوتی ہے۔ یعنی زمین کو کوئی شخص بڑھا نہیں سکتا۔

(۲) شہروں میں زمین کی مانگ رسد کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اور خریداروں کا آپس میں مقابلہ زمین کی قیمت اور زمین کا کرایہ بڑھا دیتا ہے۔

لیکن دیہات میں زمین بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی مانگ کم ہوتی ہے۔ اس لئے زمین کا کرایہ کم ہوتا ہے۔ جن علاقوں میں نہریں زمین کو سیراب کرتی ہیں اور یہ اپنی زرخیزی اور پیداوار کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ ان کی مانگ بڑھ جاتی ہے اور اس لئے انکا کرایہ اور زمین کی قیمت بھی قدرتاً بڑھ جاتی ہے۔

مثلاً آج سے تیس سال پہلے دھلی کے گردونواح کا علاقہ بالکل بیکار پڑا تھا۔ اور اسکی مانگ بہت کم تھی لیکن جب سے نئی دھلی کی تعمیر شروع ہوئی ہے

دہلی کے گردو نواح کی زمین کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔ اور اب انہی زمینوں کا کرایہ جو کہ آج سے تیس سال پہلے بیکار سمجھی جاتی تھیں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔

شہروں میں زمینوں کی قیمت کی اسقدر زیادتی کو Site Value یا محلِ وقوع کی قیمت کہا جاتا ہے۔ جس زمین یا مکان کا موقع عمدہ اور اچھا ہوتا ہے اس کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کا کرایہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کرایہ کی زیادتی کو Site Rent یا موقع کا کرایہ کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شہر ہی میں مختلف علاقوں کے مکانات کا کرایہ مختلف ہوتا ہے۔ دہلی میں قرول باغ کی طرف شہر سے زیادہ سستے مکان کرایہ پر ملتے ہیں کیونکہ وہاں کا موقع شہر کی نسبت اچھا نہیں ہے۔ شہر ہی میں کھاری باؤلی کی نسبت چاندنی چوک کی دکانوں کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ موقع کے لحاظ سے چاندنی چوک کی دکانیں بہت زیادہ اچھی جگہ ہیں۔ اور چاندنی چوک ہی میں فتحپوری سے گھنٹہ گھر جاتے ہوئے دائیں طرف کی دکانوں کا کرایہ بائیں طرف کی دکانوں کے کرایہ سے زیادہ ہے۔ کیونکہ دائیں طرف کا بازار زیادہ پُر رونق ہے۔ یہ کرایوں کی کمی زیادتی محلِ وقوع یا Site کی وجہ سے ہے۔

شہروں میں کرایہ کا اختلاف موقع اور محل کی مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن اکثر دیہات اور گانوں میں بھی زمینوں کے مختلف کرایے وصول کئے جاتے ہیں۔

ایک ہی گانوں میں مختلف زمین کے ٹکڑوں کا کرایہ اس لئے مختلف ہوتا ہے کہ ان کی زرخیزی اور پیداوار کی قوت بھی مختلف ہوتی ہے جو زمین زیادہ زرخیز ہوتی ہے اُس کا کرایہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جو زمین کم زرخیز ہوتی ہے اُس کا کرایہ بھی کم ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل مثال پر غور کرنا پڑیگا:-

شروع شروع میں جبکہ لوگ کاشت کرنے لگے تو زمینیں بہت زیادہ تھیں اور ان پر کسی کا قبضہ نہیں تھا۔ ہر شخص نے اپنی مرضی کے موافق جو زمین چاہی اپنے قبضہ میں کرلی۔ لیکن سب سے پہلے سب سے زیادہ زرخیز زمین کی کاشت شروع کی۔ کیونکہ ایسی زمین پر کم محنت سے زیادہ پیداوار وصول ہوتی تھی۔ اب لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی تو زمینوں کی مانگ زیادہ ہوئی۔ جن لوگوں کو زمینیں نہیں مل سکیں اُنہوں نے دوسروں سے کرایہ پر لیں۔ لیکن اب بھی نسبتاً زیادہ زرخیز زمینیں پہلے جوتی گئیں۔ کیونکہ ان کو جوتنے سے فائدہ تھا۔ اس کے بعد اس سے کم زرخیز زمینیں کاشت کی گئیں کیونکہ زرخیز زمینوں پر قانون تقلیلِ حاصل Diminishing Returns کا اثر شروع ہوگیا۔

ماحصلِ غیر مکتسب۔ بعض اوقات اکثر زمینوں کا محلِّ وقوع بعض وجوہ کی بناء پر عمدہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً نئی دہلی کی تعمیر سے دہلی کے آس پاس کی زمینوں کا محلِّ وقوع اچھا ہوگیا۔ اس لئے ان کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ بعض دیہات میں نہریں نکلنے یا ریل بننے کی وجہ سے

بھی ان کی زمینوں کی قیمت خود بخود بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ اس قیمت کے بڑھنے میں زمینوں کے مالکوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا اس لئے ایسے محلِ وقوع کی قیمتوں کی زیادتی کو ماحصل غیر مکتسب Unearned Increment کہتے ہیں۔

جن زمینوں کے محلِ وقوع کی عمدگی میں اِن کے مالکوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ان کی قیمتوں کی زیادتی کو ماحصل مکتسب Earned Increment کہتے ہیں۔

(ب) **اُجرت**:- مزدوروں کو اُن کی محنت کے صِلہ میں جو رقم ادا کی جاتی ہے۔ اُسے اُجرت Wages کہتے ہیں۔

جس طرح بازار میں تاجر اپنا مال فروخت کرکے اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح مزدور اپنی محنت فروخت کرکے اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ جسے دوسرے الفاظ میں اُجرت یا Wages کہتے ہیں۔

جس طرح چیزوں کی قیمت کا انحصار ان کی مانگ اور رسد پر ہوتا ہے۔ اسی طرح مزدوروں کی محنت کا انحصار بھی ان کی مانگ اور ان کی رسد پر ہوتا ہے۔ جب مزدوروں کی تعداد مانگ سے زیادہ ہوتی ہے تو اُن کی اُجرت کم ہوجاتی ہے۔ اور جب ان کی مانگ ان کی رسد سے زیادہ ہوتی ہے تو اُن کی اُجرت بڑھ جاتی ہے۔ فرض کرو کہ تمہیں اپنے مکان کی مرمت کے لئے چند معماروں کی ضرورت ہے۔ دہلی میں عام طور پر معمار

صبح کے وقت گھنٹہ گھر کے قریب یا اجمیری دروازے پر ملتے ہیں۔ تمہیں صرف چند معماروں کی ضرورت ہے۔ لیکن یہاں سینکڑوں معمار موجود ہیں اور انہیں کہیں اور کام نہیں ملتا۔ اس لئے اِن میں سے ہر ایک تمہارے ساتھ جانے پر رضامند ہو جائیگا۔ تمہیں چونکہ صرف چند معمار درکار ہیں اس لئے معماروں کا آپس میں مقابلہ ان کی اُجرت کم کر دیگا۔ اور وہ معمار جو سب سے کم اُجرت قبول کرینگے اُنہیں تم اپنے ساتھ لے لوگے۔

لیکن جس طرح بعض اوقات مقابلہ کے باوجود دکاندار لاگت سے کم داموں پر مال بیچنا پسند نہیں کرتے اسی طرح مزدور بھی اپنی ایک حد مقرر کر لیتے ہیں۔ اور اس سے کم اُجرت قبول نہیں کرتے۔

اُجرت یا Wages دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) اُجرت ہمیشہ روپے پیسوں میں ادا کی جاتی ہے۔ ایسی اُجرت کو نقد اُجرت یا Money wages کہتے ہیں۔

(۲) اس اُجرت سے جو چیزیں خریدی جا سکتی ہیں اُسے اصلی اُجرت یا Real Wages کہتے ہیں۔ مثلاً ایک مزدور کی اُجرت نقد سوا روپیہ ہے۔ اس سوا روپے سے یہ اٹھارہ سیر گیہوں خرید سکتا ہے۔ یہ اٹھارہ سیر گیہوں اس کی اصلی اُجرت Real Wages کہلائیں گے۔

بعض اوقات چیزوں کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے۔ یعنی اب گیہوں سوا روپے کے اٹھارہ سیر کی بجائے صرف بارہ سیر آتے ہیں اس لئے مزدور سوا روپیہ سے صرف بارہ سیر گیہوں خرید سکتا ہے ظاہر طور پر اگرچہ اسکی نقد اُجرت

تو اتنی ہی رہتی ہے۔ لیکن اصلی اُجرت کم ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ چیزیں سستی ہو جاتی ہیں۔ یعنی اب گیہوں سوا روپیہ کے اٹھارہ سیر کی بجائے بیس سیر آتے ہیں۔ اب اس مزدور کی ظاہرا نقد اُجرت تو اتنی ہی رہی لیکن اصلی اُجرت بڑھ گئی۔ کیونکہ سوا روپیہ سے بیس سیر گندم خرید سکتا ہے۔

اصل اُجرت میں روپیہ کے خریدنے کی قوت کے علاوہ اور چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک ریل کا ملازم اپنی تنخواہ کے علاوہ سال بھر کے بعد اپنے گھر جانے کے لئے مفت کا ٹکٹ یا پاس حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بھی اُس کی اصلی اُجرت میں شامل ہوتا ہے۔ یا ایک بڑھئی دن بھر کی محنت کے بعد اپنی نقد اُجرت کے علاوہ گھر میں جلانے کے لئے ایندھن بھی لے آتا ہے۔ یہ اُس کی اصلی اُجرت میں شامل ہے۔

اُجرت میں فرق کی وجہ:- تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کو زیادہ اُجرت ملتی ہے اور بعض کو کم اُجرت ملتی ہے۔ مثلاً ایک ہائی کورٹ کے جج کی اُجرت یا تنخواہ ایک چپراسی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی پیشہ میں بالکل ایک جیسے دو مزدوروں کی اُجرت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مختلف لوگوں کی اُجرتوں میں اس فرق کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) کام میں فرق کی وجہ سے اُجرت مختلف ہوتی ہے۔ ہائی کورٹ کا جج ایک چپراسی سے زیادہ کام کرتا ہے۔ اُسکا کام زیادہ قیمت کا اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ اِس لئے ہائی کورٹ کے جج کو ایک معمولی چپراسی سے زیادہ

اجرت یا تنخواہ ملتی ہے۔

(۲) کام سیکھنے میں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جو لوگ تجربہ کار اور ماہر ہوتے ہیں ان کی اُجرت ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹروں کو اپنا کام سیکھنے میں کس قدر روپیہ اور محنت صرف کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے ڈاکٹروں کی اُجرت یا فیس معمولی مزدوروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

(۳) اپنا معیارِ زندگی Standard of Living قائم رکھنے کے لئے بعض پیشوں میں زیادہ اُجرت لی جاتی ہے۔ وکیلوں کی اُجرت یا فیس اس لئے بھی زیادہ ہوتی ہے کہ ان کو اچھا لباس اور اچھی طرح رہنا پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک ہی پیشہ میں دو مزدوروں کو مختلف اُجرت اس لئے دی جاتی ہے کہ ایک کا معیارِ زندگی زیادہ عمدہ ہے اور دوسرے کا معمولی ہے۔ عمدہ معیارِ زندگی والے مزدور کے اخراجات زیادہ ہیں۔ اس لئے اُسے زیادہ اُجرت ملتی ہے۔ ریلوے کی ملازمت میں اینگلو انڈین ملازمین کو تنخواہیں اسی لئے زیادہ ملتی ہیں کہ ان کا معیارِ زندگی ہندوستانی ملازمین سے زیادہ بلند ہے۔

انگلستان کے مزدوروں کا چونکہ معیارِ زندگی ہندوستانیوں کی نسبت زیادہ بلند ہے۔ اس لئے انگلستان میں مزدوروں کی اُجرت ہندوستانی مزدوروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر ہندوستانی اپنی اُجرتیں بڑھانا چاہتے ہیں تو پہلے انہیں اپنا معیارِ زندگی بلند کرنا چاہیئے۔

ہندوستان میں حلال خوروں اور چماروں کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ اس لئے اِن کی اُجرت بہت قلیل ہوتی ہے۔

(۴) جن کاموں میں جان کا خطرہ ہوتا ہے اُن میں تنخواہ یا اُجرت بھی زیادہ ملتی ہے۔ مثلاً کانوں میں کام کرنیوالے مزدوروں کی جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی ہے۔ اس لئے اِن کی اُجرت دوسرے مزدوروں سے ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔

(۵) جو مزدور زیادہ اچھا کام کرتے ہیں۔ اور زیادہ چست و چالاک ہوتے ہیں اُن کی اُجرت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ کم وقت میں اچھا اور زیادہ کام کر سکتے ہیں۔

(۶) جن مزدوروں کو متواتر کام ملتا رہتا ہے۔ وہ کم مزدوری پر کام کرتے ہیں۔ لیکن وہ مزدور جن کو کام آج ملتا ہے اور کل بیکار رہتے ہیں۔ زیادہ پیسے لیتے ہیں۔ کیونکہ اُنہیں اپنے کام کے متعلق یقین نہیں ہوتا۔ مثلاً تم ایک مزدور کو اگر چار آنے روز پر مقرر کرو گے اور اسے روزانہ اُجرت دیکر علیحدہ کردو گے تو مہینے بھر میں سات روپے آٹھ آنے پر مزدور کام کرے گا۔ لیکن اگر اسے مہینہ بھر کے لئے مقرر کر لو تو بہت ممکن ہے کہ صرف سات روپے یا ساڑھے چھ روپے تک پر کام کرنے کے لئے رضامند ہو جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اسے پورے مہینہ بھر تک کام ملتا رہیگا۔ اور بیکار نہیں پھریگا۔

ٹریڈ یونین یا مزدور سبھا:۔ بہت سے مزدور اپنی بھلائی پر غور کرنے کے لئے ایک انجمن یا سبھا بنا لیتے ہیں۔ جسے ٹریڈ یونین یا مزدور سبھا کہتے ہیں۔ ایسی انجمن یا ٹریڈ یونین کا مقصد مزدور

کی حالت کو سنوارنا ہوتا ہے۔ اس کے ممبر ایک تھوڑی سی رقم فیس یا چندہ کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ ٹریڈ یونین مزدوروں کی اُجرت بڑھانے یا ان کے کام کرنیکے گھنٹے کم کرانے کے متعلق تجویزوں پر غور کرتی ہے۔ جو کچھ یہ فیصلہ کرتی ہے اس پر تمام مزدور عمل کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ بعض اوقات کارخانوں کے مالک مزدوروں پر بے جا سختیاں اور پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔ ٹریڈ یونین ان شکایتوں کو رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اول تو مزدوروں کی نمایندہ جماعت ہونے کی وجہ سے کارخانے دار اسکی آواز کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور اگر وہ ٹریڈ یونین کی باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کرتے تو تمام مزدور مل کر ہڑتال کر دیتے ہیں۔ سب کام کاج کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کارخانے بند ہو جاتے ہیں اور مالکوں کو بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

گذشتہ چند سال سے اس قسم کی مزدور سبھائیں ہندوستان میں بہت کثرت سے بن رہی ہیں۔ جن کی وجہ سے مزدوروں میں اتفاق ہو گیا ہے۔ اور اب یہ سب کام مل جل کر کرتے ہیں۔ اب ان کی معقول شکایتیں فوراً رفع کر دی جاتی ہیں۔ ایسی انجمنیں بیکار مزدوروں کو ان کی بے روزگاری کے زمانے میں اپنے جمع کئے ہوئے روپیہ میں سے تھوڑا بہت روپیہ بطور امداد کے بھی دیتی ہیں۔

ان انجمنوں کا سرمایہ داروں کی جماعت پر بہت اچھا اثر ہوا ہے۔ اب یہ لوگ مزدوروں کو بے جا طور پر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ نہیں سکتے۔

کیونکہ ان کی مدد کے لئے ایک پوری جماعت موجود رہتی ہے۔

اس وقت دھلی میں بھی اس قسم کی متعدد انجمنیں موجود ہیں جن میں سے پوسٹل یونین۔ برلا ملز مزدور سبھا وغیرہ خاص طور پر بہت مفید کام کر رہی ہیں۔

(ج) **سُود:۔** ہر پیداوار دولت میں سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے بعض اوقات پیداوار دولت کے منتظموں کے پاس اپنا ذاتی سرمایہ نہیں ہوتا تو یہ دوسرے لوگوں سے قرض لے لیتے ہیں۔ چونکہ یہ اس سرمایہ سے اور دولت پیدا کرتے ہیں۔ اسلئے اس خدمت کے معاوضہ میں اس سرمایہ پر کچھ رقم بطور صلہ ادا کرتے ہیں۔ جسے سود یا Interest کہتے ہیں سرمایہ کے مالک سرمایہ اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں سے بچاتے ہیں۔ اس لئے ان کو اُس پر سود لینے کا حق ہوتا ہے۔ شرح سُود کا فیصلہ سرمایہ کی مانگ اور رسد پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر ملک میں بہت سا سرمایہ موجود ہے۔ لیکن اسکی مانگ کم ہے تو اس پر شرح سُود کم ہو جائیگی۔ جب ملک میں سرمایہ کی زیادہ مانگ ہو اور اس کی رسد کم ہو تو شرح سُود بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ سال بھر اکثر شرح سُود بدلتی رہتی ہے۔ فصلوں کے اُٹھنے کے وقت تاجروں کو روپیہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں اسلئے شرح سُود بڑھ جاتی ہے۔ باقی سال بھر روپیہ کی اسقدر مانگ نہیں ہوتی اسلئے شرح سُود بھی کم رہتی ہے۔ اس قسم کی شرح سود کو Economic Interest خالص سود کہتے ہیں۔

لیکن بعض اوقات قرض لینے والا کسی معمولی حیثیت کا آدمی ہوتا ہے

جس کے پاس ضمانت کے طور پر کوئی جائداد یا زیور وغیرہ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو قرض دینے میں بہت خطرہ ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ روپیہ لیکر بھاگ جائے یا اُسکا دیوالہ نکل جائے اور ساری رقم ڈوب جائے اس خطرہ کے معاوضہ میں ایسے شخص سے خالص سود یا Interest سے کچھ زیادہ شرح سود وصول کی جاتی ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل باتیں شامل ہوتی ہیں:-

(۱) اس شخص کے پاس کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔

(۲) اُس شخص کو قرض دینے میں سرمایہ کے ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

(۳) قرضدار پر اعتبار نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ بھاگ جائے۔

اس لئے اس سے شرح سود نسبتاً زیادہ لی جاتی ہے جس شخص میں یہ باتیں زیادہ پائی جاتی ہیں اُس سے شرح سُود زیادہ وصول کی جاتی ہے۔ ایسے سُود کو Gross Interest کہتے ہیں۔ مثلاً ایک جاگیردار یا مہاراجہ اگر کسی بنک سے قرضہ لے تو بنک کو اُس پر اعتبار ہوتا ہے کہ اسکی جاگیر سے قرضہ وصول کر لیگا۔ لیکن ایک معمولی غریب آدمی کے پاس کوئی جاگیر نہیں ہوتی۔ اول تو اِسے کوئی قرضہ ہی نہیں دیتا۔ اور اگر دیتا بھی ہے تو شرح سُود بہت زیادہ وصول کرتا ہے۔

ہندوستان میں ساہوکار اور مہاجن لوگوں سے شرح سُود اِسی لئے زیادہ وصول کرتے ہیں کہ اِن لوگوں کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھوانے کیلئے نہیں ہوتی اسلئے اُن کو روپیہ قرض دینا ایک طرح سے روپیہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس خطرہ کے صلہ میں اُن سے زیادہ شرح سُود وصول کی جاتی ہے جسقدر ایسے لوگوں پر اعتبار کم ہوتا ہے۔ مہاجن شرح سُود بڑھاتے جاتے ہیں۔

تم نے اپنے شہر میں بڑی بڑی شلواروں والے پٹھانوں کو ضرور دیکھا ہوگا۔ اِن کا پیشہ سود پر رقم چلانا ہوتا ہے۔ یہ بغیر کسی ضمانت یا جان پہچان کے قرضہ دے دیتے ہیں۔ لیکن شرح سُود بہت زیادہ وصول کرتے ہیں۔ کیونکہ اِن کی رقم بہت خطرہ میں پڑ جاتی ہے بعض اوقات اِن کی شرحِ سُود پچاس فیصدی سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ زیادہ شرحِ سُود اِس لئے وصول کرتے ہیں کہ ایک دفعہ قرضہ دے کر اُسے وصول کرنے میں بہت مشکل ہوتی ہے اور بعض اوقات اِن کی رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ اِن کا کام دن بھر اپنا ڈنڈا لے کر قرضداروں کی تلاش میں پھرنا ہے۔

(د) **منافع**۔ منتظم یا Organizor کی محنت کا صِلہ منافع یا Profit کہلاتا ہے۔ کل آمدنی میں سے لاگت یا Cost نکالنے کے بعد جو رقم بچ جاتی ہے وہ منتظم کا منافع کہلاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں کل آمدنی میں سے زمین کا کرایہ۔ مزدوروں کی اُجرت اور سرمایہ کا سُود نکالنے کے بعد جو رقم بچ جاتی ہے وہ منتظم کا حقِ محنت ہوتا ہے جسے منافع کہتے ہیں۔

منتظم کے فرائض تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ اِس کا کام نہایت ذمہ داری کا ہوتا ہے۔ یہ بھی اور مزدوروں کی طرح محنت کرتا ہے۔ تمام کاروبار کی دیکھ بھال اور نگہداشت اسی کے سپرد ہوتی ہے۔ اور تمام مزدور تو اپنا اپنا کام

کرنیکے بعد بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی اُجرت کے حقدار بن جاتے ہیں خواہ کاروبار میں منافع ہو یا نقصان یہ اپنی اُجرت وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن منتظم نقصان اور منافع دونوں حالتوں میں کاروبار کا ذمہ وار ہے اسلیئے اِس کا صِلہ اور عاملینِ پیدائش سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہوتی۔ یہ منتظم کے کاروبار کی صلاحیت اور تجربہ پر منحصر ہے کہ کم سے کم داموں سے زیادہ سے زیادہ دام کی چیز پیدا کرے اسلیئے دوسرے عاملینِ پیدائش کو اِن کا صلہ ادا کرنے کے بعد جو رقم بھی بچتی ہے وہ منتظم کا حق ہوتی ہے۔

بعض اوقات منتظم کو خالص منافع نہیں ملتا۔ بلکہ یہ اور عاملینِ پیدائش بھی مہیّا کرتا ہے۔ اِسلئے اسکے منافع میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہوتی ہیں

(۱) اس کی تنظیم کی اُجرت۔

(۲) اگر اس کا کاروبار اپنی زمین پر ہوتا ہے تو اسے کسی اور کو کرایہ دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ رقم بھی اسکے منافع میں شامل ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر اس کا سرمایہ اپنا ہوتا ہے تو اس سرمایہ کا سُود منافع میں خود وصول کرتا ہے۔

(۴) منتظم منافع اور نقصان کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ اِسلئے اسکے منافع میں اس خطرہ کشی کا صِلہ بھی شامل ہوتا ہے۔

(۵) جو منتظم جسقدر کاروبار میں ماہر اور چالاک ہوگا۔ اُسکا کاروبار اسیقدر زیادہ منافع بخش ہوگا۔ اِسلئے منتظم کی کاروباری اہلیت اور تجربہ کا صِلہ بھی منافع

میں شامل ہوتا ہے۔

اُجرت اور منافع میں فرق:۔ اکنومکس کے بعض ماہر منافع کو دوسرے الفاظ میں اُجرت کہتے ہیں۔ کیونکہ منافع کی رقم منتظم کو اسکی محنت اور حُسنِ کارکردگی کے صلہ میں دی جاتی ہے لیکن منافع اور اُجرت میں بہت زیادہ فرق ہے۔

(۱) مزدور اپنی محنت کے بعد اُجرت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کام میں فائدہ ہو یا نقصان اِسے اپنی اُجرت سے کام ہوتا ہے۔ لیکن ایک منتظم فائدہ اور نقصان دونو کا ذمہ دار ہے۔ کاروبار میں فائدہ ہونے کی حالت میں اسے اپنے انتظام کا صلہ منافع کی شکل میں ملتا ہے اور نقصان کی حالت میں کچھ بھی نہیں ملتا۔ بلکہ بعض اوقات اپنی جیب سے کچھ رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔

(۲) ایک ہی کام کو اگر دو مزدور کریں تو ان کی اُجرت تقریبًا برابر ہوتی ہے۔ لیکن ایک ہی کاروبار کرنیوالے دو منتظموں کا منافع کبھی یکساں نہیں ہوتا۔ ہر ایک منتظم کا منافع اسکے حُسنِ انتظام اور کاروبار کرنے کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے۔ دو مزدوروں کی حُسنِ کارکردگی کا فرق اِن کے کام پر اسقدر اثر نہیں ڈالتا جتنا کہ دو منتظموں کی قابلیت کا اثر اِن کے کاروبار پر پڑتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ہوشیار اور چالاک منتظم تو اپنے کاروبار کو ترقی دے کر بہت بڑھا لیتا ہے اور دوسرا معمولی درجہ کی قابلیت کا منتظم اپنے کاروبار کو ترقی نہیں دے سکتا۔

سُود اور منافع میں فرق:۔ سرمایہ کے استعمال کے صلہ میں جو رقم ادا

کی جاتی ہے اُسے سُود کہتے ہیں۔ سُود میں منتظم کی قابلیت کا کوئی جُزو شامل نہیں ہوتا۔ لیکن منافع اوّل سے لیکر آخر تک منتظم کی قابلیت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر منتظم اچھا ہے تو منافع ہوگا ورنہ کاروبار میں ترقی نہیں ہوسکتی۔ اِسلئے منافع تمامتر منتظم کی حسنِ قابلیت کا صِلہ اور اجر ہے۔

سوالات

۱۔ تقسیمِ دولت سے تم کیا مطلب سمجھتے ہو۔ عاملینِ پیدائش کو اُنکی محنت کا صِلہ کن کن ناموں سے ملتا ہے؟

۲۔ کرایہ کسے کہتے ہیں۔ اور یہ کس طرح مقرر کیا جاتا ہے۔ زمین کے کرایہ اور مکان کے کرایہ میں کیا فرق ہے۔

۳۔ محلِّ وقوع کی قیمت اور ماحصلِ غیر مکتسب سے تم کیا مراد سمجھتے ہو۔

۴۔ اُجرت کی تعریف کرو۔ اُجرت کس طرح مقرر کی جاتی ہے۔ نقد اُجرت اور اصلی اُجرت میں کیا فرق ہے۔

۵۔ مزدوروں کی اُجرت میں فرق کی کیا وجہ ہوتی ہے۔ مختلف پیشوں کی مثالیں دے کر بتاؤ۔

۶۔ ٹریڈ یونین یا مزدور سبھا کے کیا مقاصد ہیں۔ اُسکے فرائض بیان کرو۔

۷۔ سُود سے کیا مراد ہے۔ اور یہ کیوں ادا کیا جاتا ہے۔

۸۔ خالص سُود اور Gross Interest میں کیا فرق ہے

۹۔ منافع کیا ہوتا ہے۔ اور اُس کی مقدار کس طرح معلوم کرتے ہیں اس

میں کیا کیا چیزیں شامل ہو سکتی ہیں؟

۱۰۔ اُجرت اور منافع، سود اور منافع میں کیا فرق ہے۔

صوبہ دھلی کے اقتصادی حالات

صوبہ دھلی کا رقبہ ۵۷۳ مربع میل ہے جسمیں ۳۱۵ گاؤں اور قصبے شامل ہیں۔

صوبہ دھلی کی زمین تین حصّوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے اول وہ علاقہ جو دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے۔ جسے "کھادر" کہتے ہیں۔ برسات کے موسم میں اس علاقہ تک دریا کا پانی آجاتا ہے۔ دوسرا دریا سے دُور کا علاقہ جسے "بانگر" کہتے ہیں۔ تیسرا وہ علاقہ جو جھیلوں کے گرد و نواح میں واقع ہے یہ حصّہ "ڈابر" کہلاتا ہے۔ اس صوبہ میں کہیں کہیں پتھریلے ٹیلے بھی ملتے ہیں۔ جن کا سلسلہ راجپوتانہ میں اربلی پربت سے جا مِلتا ہے۔

صوبہ دھلی میں دریائے جمنا بہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس صوبہ میں سے مندرجہ ذیل نہریں بھی گُذرتی ہیں:۔

(۱) نہر جمن غربی۔ (۲) آگرہ کی نہر جو دھلی کے جنوب میں تقریبًا ۸ میل کے فاصلے پر دریائے جمنا سے کاٹ کر نکالی گئی ہے۔ اس پر ایک خوشنما باغ بنا دیا گیا ہے جسے عرف عام میں اوکھلا کہتے ہیں۔ جو دھلی کے باشندوں کی ایک دل پسند سیر گاہ ہے (۳) نہر جمن شرقی یہ نہر میرٹھ سے آتی ہے اور شاہدرے کے قریب سے گُذرتی ہوئی دھلی کے پل کے نزدیک دریائے جمنا میں شامل ہو جاتی ہے۔

اِن نہروں سے آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے۔ تمام صوبہ کی زیادہ تر زمینیں یہی نہریں سیراب کرتی ہیں۔

آبپاشی کے لحاظ سے صوبۂ دہلی کی زمینوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) نہری۔ جن زمینوں کو نہر جمن غربی سیراب کرتی ہے وہ نہری زمینیں کہلاتی ہیں۔

(۲) چاہی۔ جن میں کنواں چلا کر پانی دیا جاتا ہے اُنکو چاہی زمین کہتے ہیں۔

(۳) آبی۔ جن زمینوں کو نالوں میں بند وغیرہ باندھکر سیراب کیا جاتا ہے۔ وہ آبی زمینیں کہلاتی ہیں۔

(۴) بارانی۔ جن زمینوں کو صرف بارش سے پانی ملتا ہے وہ بارانی کہلاتی ہیں۔

پیداوار کے لحاظ سے صوبۂ دہلی کی زمینوں کو مندرجہ ذیل علاقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :-

(۱) پہاڑی۔ جس میں پتھر زیادہ ہوتے ہیں اور مٹی کم۔

(۲) روسلی۔ جو نہ زیادہ چکنی ہوتی ہے۔ نہ ریتلی۔ یہی سب سے زیادہ اچھی زمین خیال کی جاتی ہے۔

(۳) ڈاکر۔ جس زمین میں ریت کم ہوتی ہے اور چکنی مٹی زیادہ۔ اس قسم کی زمین جھیلوں کے نزدیک زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور اُسکی پیداوار کا انحصار زیادہ تر بارش پر ہوتا ہے۔

(۴) بھوڑ۔ ایسی زمین میں چکنی مٹی کم اور ریت زیادہ ہوتی ہے۔

صوبۂ دھلی میں دوسرے علاقوں کی طرح ربیع اور خریف دو فصلیں بوئی جاتی ہیں فصل ربیع میں گیہوں۔ سرسوں۔ جو۔ چنا۔ وغیرہ بویا جاتا ہے فصل خریف میں مکئی۔ جوار۔ باجرہ۔ ماش وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔

معدنیات:- صوبۂ دہلی میں کئی جگہ سے کنکر نکلتا ہے۔ جو سڑکیں کوٹنے اور مکان بنانے کے کام آتا ہے۔ بعض مقامات سے اور خاص کر مہرولی کے گرد و نواح کے علاقہ میں کھریا مٹی بکثرت نکلتی ہے۔ صفدر جنگ کے مقبرہ کے قریب ہی مٹی کے برتن بنانے کا ایک کارخانہ بھی ہے جس کے برتن مشہور ہیں۔ دھلی کے ارد گرد پتھر کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے پتھر نکالا جاتا ہے۔ اور آس پاس کے علاقوں میں بھیجا جاتا ہے۔

بعض پہاڑوں میں ابرق اور بلور بھی ملتا ہے۔

دھلی جب سے ہندوستان کا دار الخلافہ بنا ہے اسکی آبادی میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے اسوقت اسکی آبادی ۶۳۶۴۲۴۶ ہے امید ہے کہ اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو چند سال میں ہی اسکی آبادی بہت زیادہ ہو جائیگی۔

دھلی ہمیشہ سے بادشاہوں کی راجدھانی اور دار الخلافہ رہی ہے۔ اسلئے صنعت و حرفت میں اسکے باشندے بہت مشہور ہیں۔ دھلی میں ہاتھی دانت اور گوٹے کناری وغیرہ کی صنعت خاص طور پر بہت عمدہ پیمانے پر کام کر رہی ہے اگرچہ زیادہ تر یہ سب کام گھروں میں ہوتے ہیں لیکن یہاں کے باشندوں

کی موروثی اور خدا داد کاریگری کا جواب ہندوستان کے اور شہروں میں مشکل سے ملے گا۔ اس وقت سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ تمام صنعتیں تقریباً مردہ ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی شہر کے باشندوں کی ایک کثیر تعداد کی گذر اوقات ایسے ہی کاروبار پر ہوتی ہے۔

دوسرے بدیشی مال کے مقابلہ میں اِن لوگوں کے کام کی اب وقعت بھی نہیں رہی۔

دھلی چونکہ ہندوستان کا مرکز ہے اِسلئے اس کی تجارت میں بھی روزافزوں ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ریلوں اور عمدہ سڑکوں نے اسے تمام ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں سے ملا دیا ہے۔ یہاں دُور دُور سے مال بکنے آتا ہے اور دوسرے شہروں کے تاجر یہاں سے مال خرید کر لے جاتے ہیں۔

گذشتہ چند سال میں یہاں بہت سے کارخانے کھولے گئے ہیں جن میں دھلی کلاتھ ملز۔ برلا کلاتھ ملز اور دھلی بسکٹ فیکٹری بہت مشہور ہیں اِن کارخانوں میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں۔ یہ مزدور زیادہ تر صوبہ دھلی کے گرد و نواح کے علاقوں سے آتے ہیں۔ اِن کے رہنے کے واسطے اِنہی کارخانوں کے آس پاس چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد ہو گئی ہیں۔

نئی دھلی آباد ہونے کی وجہ سے صوبہ دھلی کی زمینوں کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ کیونکہ اب شہر بہت زیادہ پھیل گیا ہے۔ وہ علاقے کہ جو آج سے صرف چند سال پہلے غیر آباد پڑے تھے اب بہت زیادہ آباد ہو گئے

ہیں اِس لئے اُن کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔

دھلی میں آبادی کی زیادی کا لازمی نتیجہ مکانات کے کرایہ میں زیادتی ہے۔ چونکہ مکانات کی مانگ زیادہ ہے اس لئے کرایہ بہت بڑھ گیا ہے۔ شہر کی تنگ و تاریک گلیوں تک میں مکانات بہت مہنگے کرایہ پر ملتے ہیں۔ شہر کے علاوہ نئی دھلی کے مکانات کا کرایہ بھی بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ سرکاری دفاتر کے ملازمین اُس علاقے میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں ایک تو وہ اُن کے دفاتر سے بہت نزدیک ہے دوسرے اُس کی آب و ہوا شہر سے نسبتاً عمدہ اور خوشگوار ہے ؁

ضمیمہ

Authorised Capital	منظور شدہ سرمایہ
Accept	قبول کرنا
Agricultural Stage	کاشتکاری کا زمانہ
Barter	مبادلہ
Bill of Exchange	ہنڈی
Consumption	صرف دولت
Comforts	آسائشیں
Capital	سرمایہ
Circulating Capital	اصل دائر
Cottage Industries	گھریلو دستکاریاں
Competition	مقابلہ
Cost of Production	لاگت
Captains of Industry	منتظمین
Coincidence of Wants	ضروریات کی مطابقت
Cheque	چیک
Co-operative Credit Societies	انجمن ہائے امداد باہمی
Distribution	تقسیم دولت
Division of Labour	تقسیم عمل
Demand	مانگ
Discount	کٹوتی
Deposit	امانت
Director	ڈائرکٹر
Economics	علم المعیشت یا اقتصادیات
Economic Condition	اقتصادی حالت
Exchange	تبادلہ
Efficiency	حسن کارکردگی
Form Utility	افادہ شکلی

Factors of Production عاملین پیدائش
Face Value ظاهری قیمت
Fixed Capital اصل قائم
Ground Rent زمین کا کرایہ یا تہہ بازاری
Good Money زر عمدہ
Hunting Stage شکار کا زمانہ
Handicraft Stage دستکاری کا زمانہ
Handicrafts دستکاریاں
Hoarding اندوختہ
Industries صنعتیں
International Market بین الاقوامی منڈی
Intrinsic Value اصلی قیمت
Interest سود
Joint Stock Company مشترکہ سرمایہ کی کمپنی
Law of Diminishing Utility قانون تقلیل افادہ

Law of Diminishing Returns قانون تقلیل حاصل
Law of Increasing Returns قانون تکثیر حاصل
Legal Tender Money زر قانونی
Land زمین
Labour محنت
Luxuries نعمتیں
Localization of Industries مقامی صنعتیں
Large-Scale Production پیداوار بر پیمانہ کبیر
Local Market مقامی منڈی
Limited محدود
Matter مادہ
Market منڈی
Middleman دلال
Market Price منڈی کا بھاؤ
Medium of Exchange تبادلہ کا ذریعہ

Money	زر
Mettalic Money	سکّہ
Money Wages	نقد اجرت
Marginal Utility	افادۂ مختتم
Necessaries	اشد ضروریات
National Market	قومی منڈی
Non-transferable Wealth.	دولت غیر منقولہ
National Wealth	قومی دولت
National Income	قومی آمدنی
Organization	تنظیم
Organizer	منتظم
Production	پیداوار دولت
Place Utility	مقامی افادہ
Pastoral Stage	گذریونکا زمانہ
Price	دام
Personal Wealth	ذاتی دولت
Paper Money	زر کاغذی
Profit	منافع
Reserve Fund	زر محفوظ
Rent	کرایہ
Real Wages	اصلی اجرت
Raw Material	مال خام
Standard of living	معیار زندگی
Scarcity Value	قیمت بوجۂ قلّت
Standard of Value	قیمت کا معیار
Standard Money	زر مستند
Site Value	محلّ وقوع کی قیمت
Site Rent	محلّ وقوع کا کرایہ
Supply	رسد
Shares	حصے
Saving	بچت
Time Utility	وقتی افادہ

Technical Education	صنعتی تعلیم
Transferable Wealth	دولت منقوله
Token Money	زر وضعی
Trade Union	مزدور سبھا
Total Utility	افادۂ کل
Utility	افاده
Unearned Increment	ماحصل غیر مکتسب
Value	قدر
Value in Exchange	قدر بلحاظ بدل
Value in Use	قدر بلحاظ افاده
Wages	اجرت
Wealth	دولت

Jamia Press, Jami Masjid, Delhi.

مطبوعہ جامعہ برقی پریس
جامع مسجد دہلی

درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۱- اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس رفقاء، مجلس انتظامی، مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲- اساتذۂ جامعہ عثمانیہ و کلیات ملحقہ و گزیٹیڈ عہدہ داران جامعہ، اراکین دارالترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۳- طلبائے انٹر رجسٹر شدہ دو کتابیں، بی اے ... و تحقیقاتی جماعتوں کے طلبہ تین کتابیں، ایم اے، ایل ایل بی ... اپنے پاس رکھ سکیں گے۔ طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتے تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۴- مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلبہ سے بحساب ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائے گا۔

۵- بشرط موقع کتابیں مکرر جاری کی جا سکیں گی مگر اس غرض سے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶- کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر پر ذمہ داری عائد ہوگی۔

۷- کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنایا یا لگایا نہ جائے۔

۸- قلمی نسخے، حوالے کی کتابیں جاری نہ کی جا سکیں گی۔